رجسٹرڈ نمبر اے ۱۳۰۱

دلگداز

اردو کا مشہور ادبی و تاریخی رسالہ

بہ مربی گری

مولانا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر

و بہ ہدایت

مولوی محمد صدیق حسن صاحب ایڈیٹر

خاکسار

محمد سراج الحق حکیم منیجر و پرنٹر و پبلشر

نے

دلگداز پریس میں چھاپکر لکھنؤ محلہ کٹرہ بزن بیگ خاں سے شایع کیا

دلگداز

بڑے بڑے فلسفیون کو دعوے ہے کہ اعادۂ معدوم محال ہے۔ ایسے ایسے مستند لوگونکا یہ قول ہے تو درست ہوگا مگر ہمین تو اس کے خلاف نظر آتا ہے۔ اسی دلگداز کو دیکھیے کیا تو [illegible] مین جب یہ پہلے پہل دنیا مین آیا ہے صرف ایک جز کا ایک ننھا سا خوبصورت پرچہ تھا۔ اور ایسا دلچسپ و دلفریب کہ جسکی ایک نظر پڑ گئی دل و جان سے خریدار ہوگیا بے اختیار جی چاہنے لگا کہ اٹھا کے کلیجے مین رکھ لے۔ گویا کسی کی نگاہ ناز تھا کہ جس پر پڑ گئی گھائل ہوگیا۔ اور جسے ایک نگاہ مستانہ سے دیکھ لیا اپنا بنا لیا۔ اس حالت کو ایک ہی سال گذرا تھا کہ [illegible] کے شروع سے ایک جز ناول بڑھایا گیا۔ پہلا دور گویا بچپن کا دل لبھانے والا عہد تھا اور اب عنفوان شباب تھا۔ پہلی دلربائی مین اگر ایک قسم کا کھلونا پن تھا جو اپنی سطحی نمائش سے دلون کا لبھا لیا کرتا تو اب اس مین ایک پر اثر متانت پیدا ہوئی جو سنجیدہ اور متین لوگون کو اپنا فریفتہ کر لیتی۔

چند سال بعد ایک جز تاریخ کا اور بڑھایا گیا جس نے اسمین پختہ مغزی کا جوہر پیدا کیا۔ اسکے چند روز بعد اس مین لائف کا ایک جزو اور اضافہ کیا گیا۔ اور اب یہ ساڑھے تین جز یعنی ۵۶ صفحون کا ایک متین و معقول رسالہ تھا جس مین ہر مذاق کی باتین تھین اور ہر رنگ کی دلفریبیان۔

پارسال جب کہ یہ سات آٹھ مہینون تک سرزمین دکن سے شایع ہو چکا تھا یہ خیال کر کے کہ اس وقت تک اسے جتنی ترقیان حاصل ہوئی ہین یا روحانی قسم کی تھین اور یا کثرت مضامین سے علاقہ رکھتی تھین اب اسے جسمانی ترقی بھی دیجائے۔ ارادہ کیا گیا کہ اسکا پیمانہ ۱۸×۲۲ سے بڑھا کے ۲۰×۲۶ کر دیا جائے۔ اور مسطر نکھرے مذاق والے قدر دانان سخن کے مطابق صرف ۲۱ سطر رکھا جائے۔ یہ ارادہ عمل مین آجاتا تو شاید اس کی کوئی اور ہی وضع و صورت ہوتی مگر ایسا تغیر و تبدل خدا کو منظور نہ تھا۔ بمصداق اسکے کہ "ارادۃ اللہ غالب علی ارادۃ الناس"۔ ایسی

ترقی کی نوبت نہ آئی اور ہم ایسے افکار و ترددات مین رہے کہ ایک برس تک اس کی اشاعت ہی ملتوی پڑی رہی۔ یہان تک کہ خدا نے اُس انتظام کو بالکل پلٹ دیا۔

اب ایسی مجبوریان پیش آئین کہ ہمین پھر اپنے اصلی مرکز لکھنؤ مین واپس آنا پڑا۔ اور قدرت نے اس معشوق دلربا یا اس ہونہار پرچہ کو پھر اُسی گہوارے مین ڈال دیا جسمین اپنے عہد طفولیت مین پرورش پائی تھی جس کے جھونکون سے کبھی یہ ہنسی خوشی کے ساتھ کھیلتا۔ اور کلکاریان مارتا نظر آتا تھا۔ اور کبھی بچپن کی میٹھی نیند مین غافل سو جاتا۔

گو اسی سرزمین مین وہ پہلے گر گر کے اُٹھا۔ چوٹین کھا کھا کے بچا۔ اور ٹھوکرین کھا کھا کے سنبھلا تھا۔ اور اسی مین کھیل کود کے بڑا ہو گیا تھا۔ یہین اس سے بچپن کی مزہ دار بیساختگیان ظاہر ہوئی تھین۔ اور یہین اس نے جوانی کی شوریدگیون کا لطف اُٹھایا تھا مگر اب کی جو قدرت نے اِسے اُسی پہلے گہوارے مین ڈالا ہے تو وہی پہلا سا بچہ بنا کے۔ تاکہ نئی زندگی کے مزے لے۔ از سرِ نو پرورش پا کے بڑا ہو۔ اور دنیا کو پھر وہی آغازِ عمر کے کرشمے دکھا دے جو پہلے دکھا چکا ہے جن کا عالم جب کبھی لوگون کو یاد آ جاتا ہے دل ہی دل مین مزہ لے لیا کرتے ہین اور بے اختیار زبان سے کہہ اُٹھتے ہین کہ اب کا دلگداز وہ نہین جو پہلے تھا۔ مگر آیئے دیکھیے اور سنئے مزے لوٹیے کہ پھر وہی پُرانا دلگداز آپ کے سامنے ہے۔ وہی بچپن کی بیساختگیان پھر نمایان ہین۔ اور ۱۹۱۰ء کے آغاز مین آپ کو وہی لطف حاصل ہو رہا ہے جو ۱۸۸۷ء مین حاصل ہوا کرتا تھا۔

یہ اعادۂ معدوم نہین تو کیا ہے؟ جو چیز دامنِ فنا مین غائب ہو گئی تھی پھر نظر آئی یا نہین؟ دلگداز کے قدردانون کی طرح خود دلگداز کے بھی وردِ زبان یہ دعا تھی کہ "ہمچو زلیخا بشباب م رسان"۔ خدا نے اُسے سُن لیا۔ اور یہ معجزۂ یوسفی اسے نصیب ہو گیا کہ زلیخائے مصر کی طرح پھر عنفوان شباب ہے۔ اور یوسف کا سا حسن نظر فریب۔ ہو بہو وہی دلگداز دیکھ لیجیے جو ۱۸۸۷ء یعنے اپنے عہد اولین مین نظر آیا تھا۔

اس مین شک نہین کہ جن لوگون کے مشتاق کان اس کی دل لبھانے والی زبان سے ناول کے پیرایے مین رنگ رنگ کی سحر بیانیان اور تاریخ و لائف کے ذریعہ سے طرح طرح کی سچی کہانیان سننے کے عادی ہو رہے ہین اُن کو شکایت ہو گی کہ اب اس سولہ صفحہ کے پرچہ مین سوا متفرق مضامین کے اور کیا رکھا ہے۔ لیکن جب وہ یہ سُنین گے کہ اِن سولہ صفحون مین وہ لٹریری کرامتین اور ادبی معجز نمائیان ہین جنھون نے مدتون قلم و سلطنت مین اپنا سکہ چلایا تھا۔ رمز شناسانِ ادب و انشا

اور قدردانان سخن جن کے دلدادہ تھے - اور جن کا چٹخارہ آج تک زبانون پر باقی ہے -
رہی ناول اور تاریخ کی اشاعت - اس کی نسبت مختلف تجربون اور آزمائشون کے بعد اور ہر قسم کی مصلحتون کو پیش نظر رکھ کے یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ بجاے اسکے کہ دلگداز کے ساتھ متفرق طور پر ایک ایک جُز شائع ہوتا رہے آئندہ ختم سال سے پہلے دس بارہ جز کا ایک ناول اور اتنی ہی بڑی ایک تاریخی کتاب مکمل و مرتب کر کے قدردانون کے سامنے پیش کر دی جایا کرے - موجودہ حالت مین اکثر احباب کو شکایت بھی ہے کہ درمیان کے کسی ایک جُز کے تلف ہوجانے سے پوری کتاب ناقص اور بیکار ہوجاتی ہے - قطع نظر اس کے ایک جُز کے پڑھ لینے سے مضمون تشنہ رہ جاتا ہے اور دل کو ایک قسم کی اُلجھن سی رہتی ہے - اس جدید انتظام اور قدامت کا رنگ از سر نو اختیار کر لینے سے یہ سب شکایتین رفع ہوجائین گی - اور ناظرین دلگداز کو ہماری جو کتاب ملے گی مکمل اور دلچسپ ہوگی اور پوری ہوگی -
لہذا آیندہ سے دلگداز صرف ۱۸ یا ۲۲ پیمانے کے ایک جُز پر نکلا کرے گا - اُس مین صرف لٹریری یا تاریخی مضامین ہون گے - اور قیمت حسب سابق صرف ایک روپیہ (عہ) سالانہ مع محصول ڈاک ہوگی - دوران سال مین جو ناول یا تاریخی کتابین تیار ہون گی اُن کی قیمت مقرر کر کے بذریعۂ دلگداز ناظرین کو فوراً بتا دی جاے گی - اور اُن کو اختیار ہوگا کہ قیمت ارسال فرماکے یا ویلیو پے ایبل بھیجنے کی اجازت دے کے طلب فرمالین - قدردانان دلگداز مین سے جو حضرات چاہتے ہون کہ اس قسم کی ہر کتاب بلا انتظار درخواست اُن کی خدمت مین تیار ہوتے ہی بھیجدی جایا کرے وہ اگر اس قسم کی عام اجازت دیدین گے تو اُن کا اسم گرامی ایک جداگانہ رجسٹر مین درج کر لیا جائے گا - اور ایک ہفتہ پیشتر ایک اطلاعی کارڈ روانہ کر کے کتاب اُن کی خدمت مین وی - پی بھیجدی جایا کرے گی -
زمانے کے انقلابات سے جدید سبق حاصل کرنے کے بعد ہم نے قطعی ارادہ کر لیا ہے کہ اب دلگداز برابر استقلال سے اور وقت پر نکلتا رہے - اور خدا سے امید ہے کہ ہمارے اس ارادے کو ضرور نباہے گا - لہذا قدردانان دلگداز توجہ فرمائین - اور اس غریب پرچے کی اشاعت بڑھانے مین مدد دین - اب قیمت کچھ نہین صرف (عہ) سالانہ ہے - جو کسی کو گران نہین گذر سکتی - ہم اپنے دوستون سے امید رکھتے ہین کہ وہ دلگداز کی ترقی و اعانت مین کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھین گے -

بے مُزد بود و منّت ہر خدمتے کہ کردم
یارب مباد کس را مخدوم بے عنایت

دلدادگان حرمان نصیب کی زبان سے تو یہ شکایت ہمیشہ اور ہر جگہ سُنی جاتی ہے کہ جن نازآفرین مہ وشون کی یاد مین ساری دنیا سے ترک تعلق کیے بیٹھے ہین وہی اُنھین اپنے دلون سے بھُلائے ہوئے ہین۔ اور جن کے نام سے جیتے ہین اُنھین کو اُن کے مرنے جینے تک کی پروا نہین۔ دنیا بھر مین جس کسی سے وعدہ کیا ہے پورا کرین گے اور نہ پورا کرین گے تو اسی وعدے کو جو اپنے چاہنے والون سے کیا ہے۔ عشق کے ہاتھون ہمین ایسے بہت سے کرشمے نظر آچکے ہین۔ وہی بیوفا ہین جن سے ہمارا برتاؤ وفاداری کا ہے۔ وہی دشمن ہین جن کے ہم دوست بنے ہوئے ہین

افسوس! ہمکو اُن سے وفا کی ہے امید جو نہین جانتے وفا کیا ہے۔

مگر کاش یہ مصیبت عشق و عاشقی ہی کی دنیا تک محدود رہتی۔ قیامت تو یہ ہے کہ دنیا کو جس پہلو سے دیکھیے اور آزمائیے یہی حالت نظر آئے گی۔ سچی خدمت گزاری اور خالص وفاداری کا پھل دنیا مین ہر شخص کو ایسا ہی ملا کیا ہے۔ حجاج بن یوسف ثقفی نے آل مروان کی سلطنت کی بنیاد مضبوط کی تھی اور آخر بنی مروان ہی کے ناشکر گزار ہاتھون سے اُس کا خاندان پامال ہوا۔ بنی عباس کو ابومسلم نے سریر خلافت پر بٹھایا تھا۔ اور بنی عباس ہی کے ہاتھ سے وہ قتل ہوا۔ اسی طرح جس شخص نے خلافت بنی فاطمہؓ مصر کی بنیاد ڈالی تھی وہ بنی فاطمہ ہی کی شمشیر بیوفائی کی نذر ہوا۔ خلاصہ یہ کہ

کس نیاموخت علم تیر از من کہ مرا عاقبت نشانہ نہ کرد

جس طرح معشوقون کے ہاتھون عشاق کو تکلیف ہی پہونچتی رہی اُسی طرح دنیا کے مخدومون سے اُن کے سچے خادمون کو ہمیشہ ضرر ہی پہونچا۔ عموماً وفاکیشون کے ساتھ بے رحمی و بے دردی ہی کا برتاؤ ہوا۔ اور دنیا مین جب غور سے دیکھا تو یہی نظر آیا کہ "نیکی کا بدلہ بدی مل رہا ہے"۔

لیکن آخر یہ ہے کیون؟ رُخ زیبا کے دیوانے اور نظر غلط انداز کے آرزومند

بننے مین کون سی برائی ہے کہ لوگ دشمن ہوجاتے ہین۔کسی سے وفاداری کرنا یا کسی پر احسان کرنا کون سا گناہ ہے کہ اچھے اچھون کو اُسکے صلہ مین بے وفائی اور محسن کُشی ہی کرتے دیکھا۔لوگ دولت کو اندھا بتاتے ہین کیا دنیا بھی اُسکے ساتھ اندھی ہے؟ یہ نہین تو پھر کیا بات ہے کہ پیغمبر جس اُمت کے خیراندیش ہوتے ہین اُسی کے ہاتھون سے مارے اور ستائے جاتے ہین۔اور فلسفی جس قوم کی اصلاح کے درپے ہوتے ہین اُسی کے سہام جہالت کا نشانہ بنتے ہین! مسیح و ذکریا کے خون کے دھبے اسی ناسپاس دنیا کے دامن مین لگے ہوئے ہین۔اور سقراط کا سا مصلح قوم فلسفی اسی ناشکری پر قربان ہوچکا ہے۔

او اندھی اور بے وفا دنیا! اگر تجھے اپنے خیراندیشون پر ترس نہین آتا تو نہ سہی خود اپنے انجام پر تو نظر کر! کیا اِن بے رحمیون کے بعد تو چین سے بیٹھ سکتی ہے؟ یا ایسے مظالم کرکے تجھے کچھ مل جائے گا؟ ہرگز نہین۔تو خراب ہوگی اور نہایت ہی خراب۔ہمین ستاکے تو بھی ستائی جائے گی۔اور وہی ہوگا جو کسی دل جلے نے حکم لگا دیا ہے کہ ؎

تو بھی ٹھنڈا نہ رہے دل کے جلانے والے

جن دغابازون کے نغرون مین آکے جن جھوٹے خوشامدیون کی باتون پر اعتبار کرکے تُو نے اپنے سچے وفاکیش دوستون پر ظلم کیا ہے وہ تجھے اُس انجام سے نہین بچا سکتے جس کے ہر ظلم کے بعد نمایان ہونا ضروری ہے۔جن غلط و بے اصل خیالات مین پڑکے تو نے اپنے خیراندیشون کو اذیت پہونچائی ہے ایک دن کھلینگے اور عالم آشکارا ہوجائے گا کہ تھا کیا اور تو نے کیا سمجھا!

لیکن ہم نہین چاہتے کہ اپنی بے مہریون کے نتیجے مین تجھے کوئی انجام بد دیکھنا پڑے۔ہم اپنے مذہب و اعتقاد کی رُو سے دنیا کے بنانے اور سنوارنے کے لیے آئے ہین نہ بگاڑنے اور آزار پہونچانے کے لیے۔تو چاہے ہمین اپنا دشمن تصور کرے مگر ہم اب بھی تیرے دوست ہین۔اور تیرے لیے بھلائی ہی چاہتے ہین۔اس لیے کہ تجھے ہمین ستاکے اپنے خیال یا زعم باطل مین کوئی نہ کوئی مسرت ضرور حاصل ہوتی ہوگی۔مگر ہمین اپنے دل وفاکیش و خیرطلب کے ہاتھون تجھے کسی تکلیف و رنج مین مبتلا دیکھ کے صدمہ ہی ہوگا۔

عربی نحو وصرف کی کتابون مین یہ نام کثرت سے آتا ہے۔ اور "بڑا اخفش" (اخفش کا بکرا)
ہماری زبان مین ضرب المثل ہے۔ مگر کتنے افسوس کی بات ہے کہ ایسے مشہور نام والے عالم متبحر
اور ایسے عالی مرتبہ امام نحو سے ہندوستان کے بہت کم لوگ واقف ہین۔ یہ وہ بزرگان
سلف ہین جو فصاحت وبلاغت کے مسند پر ہمیشہ جلوہ افروز رہین گے اور جن کا سکہ لٹریچر کی
دنیا مین قیامت تک چلتا رہے گا۔

اخفش عربی مین چُندھے کو کہتے ہین جس کی آنکھ چھوٹی ہوتی ہے۔ اور نظر خیرگی کرتی ہے۔
اسی جسمانی عیب کی وجہ سے یہ لقب پڑ گیا۔ اور اس قدر مشہور ہوا کہ اصلی نام اس کے دامن مین
چھپ کے غائب ہو گیا۔ باکمال علماے عرب مین تین بزرگون کو یہ لقب ملا جو بہ ترتیب زمانہ اخفش
اکبر۔ اخفش اوسط۔ اور اخفش اصغر کہلائے۔ وہ اخفش جن کا نام سب سے زیادہ مشہور ہے جنکے
طفیل مین ایک بکرے کو زندگی جاوید نصیب ہو گئی۔ اور جو امام نحو سیبویہ کے معاصر تھے اخفش
اوسط ہین۔ اُن کا حال ہم آیندہ بیان کرین گے۔ فی الحال اخفش اصغر کے حالات بیان کرتے
ہین جو باعتبار زمانہ ہم سے قریب تر تھے۔

یہ اخفش بھی علم نحو وصرف کے بڑے عالی پایہ امام تھے۔ ابو الحسن کنیت تھی۔ اور علی بن
سلیمان بن فضل نام تھا۔ تیسری صدی ہجری کے وسط مین پیدا ہوئے۔ اور اُس کے آخر مین شہرت
حاصل کی۔ بغداد کے مضافات مین ایک گاؤن تھا بردان جس کی خاک سے بہت سے باکمال
پیدا ہوئے ہین وہی اُنکا بھی مولد تھا۔ جب معمولی درجہ کی تحصیل علم سے فراغت ہوئی تو
اُس عہد کے اساتذۂ فن ادب ونحو۔ مبرّد اور ثعلب وغیرہ کے آگے زانوے شاگردی تہ کیا۔
اور اُن کے فیض سے علوم ادبیہ مین تبحر حاصل کیا۔ سنہ ۲۸۷ ہجری مین جب ان کا شمار
یگانۂ روزگار علما مین ہونے لگا تو عراق چھوڑ کے مصر گئے۔ انیس برس وہان رہ کے سنہ ۳۰۶ ہجری
مین شام مین واپس آئے اور شہر حلب مین اقامت گزین ہو گئے۔

اگرچہ زبان دانی مین کمال رکھتے تھے۔ اور فصاحت وبلاغت مین اِن کا جواب نہ تھا
مگر شاعری سے مس نہ تھا۔ نہ خود ہی شعر کہتے تھے۔ اور نہ شعر وسخن کا ایسا شوق تھا

کہ شعرائے سلف کا زیادہ کلام یاد ہو۔ اُنھون نے کوئی ایسی کتاب بھی نہین چھوڑی جو اُنکی یادگار رہو۔ اور اس کوتاہی کا سبب غالباً اُن کا افلاس تھا۔ کیونکہ حالات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے کمال و فراغ کے زمانے اور آخر عمر مین زیادہ تر مفلسی و محتاجی مین گذری۔

چنانچہ قیام بغداد کے زمانے مین ابو علی بن مقلہ کے پاس پڑے رہتے تھے۔ وہ اِنکے ساتھ تھوڑا بہت سلوک کر دیا کرتا تھا۔ مگر اس سے اِن کی بسر نہ ہو سکتی تھی۔ ایک دن اِنھون نے اُس سے کہا آپ وزیر خلافت ابو الحسن علی بن عیسیٰ کے دربار مین باریاب ہوتے ہین۔ کبھی اُن کے سامنے میرا تذکرہ کیجیے۔ اور میری تنگدستی اور فقر و فاقہ کی حالت ظاہر کر کے سفارش کیجیے کہ میرا کچھ وظیفہ مقرر کر دین تاکہ ذرا اطمینان و فارغ البالی سے زندگی بسر کر سکون۔ ابو علی نے اِن کی خواہش کے مطابق وزیر کے دربار مین جا کے اِن کی درخواست پیش کر دی۔ جسے سُن کے وزیر ابن عیسیٰ چین بہ جبین ہوا۔ اور ابو علی کو بھرے دربار مین اس طرح جھڑکا کہ اُسے سخت صدمہ ہوا۔ اور نادم و ناکام واپس چلا آیا۔

ہم نے اخفش اصغر کی زندگی کے یہ جتنے واقعات بیان کیے ہین سب معمولی ہین۔ اور نہ اِن مین کوئی ایسی خاص بات نظر آتی ہے جس کے باعث اِن کی لائف اُردو پبلک کے سامنے پیش کی جائے۔ مگر ان مین ایک بات تھی۔ اور بہت بڑی بات تھی۔ جو آج ہی کل نہین ازمنہ ماضیہ مین بھی کسی کو کسی دوسرے باکمال مین نہ نظر آئی ہو گی۔ وہ یہ کہ اِن مین اور اِن کے معاصر شاعر ابن رومی مین باہم اختلاف تھا۔ وہ اِن کے کمال سے جلتا تھا اور یہ بھی اُس کو اچھا نہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ اُس کے چھیڑنے کے لیے اِن کا معمول تھا کہ روز اُسکے دروازہ پر جاتے اور اُسے سُنا کے کوئی ایسا بدشگونی و بدفالی کا کلمہ کہدیتے کہ وہ نہایت پریشان ہوتا۔ اُس مین یہ عیب تھا کہ نہایت ہی ضعیف الاعتقاد تھا۔ ادنے ادنے بدشگونیون سے اُسے خلجان ہو جاتا۔ اور ہزارون طرح کے اوہام دل مین پیدا ہوتے۔ دن بھر گھر مین دروازہ بند کیے بیٹھا رہتا اور مارے دہشت کے دہلیز سے باہر قدم نہ نکالتا۔ دوسرے دن ابھی وہ کپڑے ہی پہنتا ہوتا کہ یہ پھر پہونچ کے نیا شگوفہ چھوڑ دیتے۔ خلاصہ یہ کہ اُنھون نے اُسے اُسی کی ضعیف الاعتقادیون کی زنجیر مین جکڑ کے قید اور نظر بند کر دیا۔ اور اُس پر

دنیا تنگ ہو گئی۔ آخر جب ابن رومی کا اور کسی طرح زور نہ چلا تو اُسنے انکی ہجو کہی۔ ہجو کے اشعار اخفش نے سُنے تو اُنھین بہت پسند کیا۔ بجائے خود داد دی۔ اُن اشعار کو ادبی مسائل مین لطو سند پبلک کے سامنے پیش کیا۔ مگر ابن رومی کے دروازے پر جا کے روز کوئی نحوست کا کلمہ ضرور چلا کے کہدیتے اُسنے جھنجلا کے اور ہجوین کہین۔ اِنھون نے اُن ہجوون سے اور زیادہ علمی و ادبی فائدہ اُٹھایا۔ اور اب اِن اشعار مین اُنھین ایسا مزہ آنے لگا کہ اسی شوق مین ابن رومی کو زیادہ چھیڑنے لگے۔ کیونکہ جانتے تھے جتنا زیادہ ستاؤنگا اُسی قدر زیادہ جھنجلا کے زیادہ اچھے شعر میری ہجو مین کہے گا۔ آخر ابن رومی کو معلوم ہوا کہ میری ہجو کے اشعار سے اخفش بجائے اس کے کہ دل کو چوٹ لگے اور زیادہ فائدہ اُٹھاتا ہے۔ اور اب ایسے ہی اشعار کہلانے کے لیے ستاتا ہے تو تھک کے اور ہار کے ہجوین کہنے سے باز آگیا۔ اسکے تھوڑے ہی زمانہ کے بعد غالباً اُسے اخفش کی چھیڑ خوانیون سے نجات ملگئی ہوگی۔

ابوالفرج معافی اور جریری اور مرزبانی جو بلند مرتبہ علماے نحو مین گذرے ہین اُنکے شاگرد رشید تھے۔ مگر افسوس کہ دنیا نے اُنکے جیتے جی اُنکی قدر نہ جانی۔ ہم آج اُن کے لائف لکھتے وقت اُنکے کمالات کا اعتراف کر رہے ہین اور شاید یونہین آخر تک اعتراف ہوتا رہیگا۔ مگر جب تک وہ دنیا مین رہے زمانہ اُن سے برسر خلاف ہی رہا۔

ہم بیان کر چکے ہین کہ وہ نہایت ہی مفلس و تنگدست تھے۔ یہانتک کہ وزیر خلافت کے دربار مین تھوڑے سے وظیفہ کے لیے سفارش کرائی اور یون بھی کام نہ نکلا بلکہ جس نے اُنکے حق مین دو کلمۂ خیر کہے تھے وہ عام لوگون کے مجمع مین ذلیل کیا گیا۔ اخفش کو اسکا بے انتہا ملال ہوا کہ میری وجہ سے مفت مین ایک معزز شخص کی تذلیل ہوئی۔ صبر کر کے بظاہر تو خاموش ہو رہے مگر دل زخمی تھا۔ اس غم کے ساتھ فقر و فاقہ کی تکلیف کھانے کو کچھ میسر نہ آتا تھا اور فاقے پر فاقہ کرتے تھے۔ ایک دن بھوک کی شدت مین سڑے ہوے شلجم کھا گئے۔ جسکے چند گھنٹہ بعد یک بیک بیٹھے بیٹھے روح پرواز کر گئی۔ کسی قسم کا مرض انتقال سے پہلے نہین محسوس ہونے پایا تھا۔ مگر بعد اطبا نے تشخیص کیا کہ وہ شلجم قلب پر چھا گئے۔ اور اُسی قلبی بیماری مین اُن کا انتقال ہوا۔

اِنّا لِلّٰہِ وَ اِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون

ذیقعدہ ۳۱۵ھ مین اُنھون نے دنیا کو رخصت کیا۔ بغداد مین بردان کے پل کا جو قبرستان مشہور تھا اُس مین آغوش لحد کے سپرد کیے گئے۔

شمع وفا

یون تو عالم مین صدہا شمعین روشن ہین اور ہزارون مجلسونکی رنگا رنگ کیفیتین اسی شمع کی روشنی مین دکھائی دیا کرتی ہین - یہی شمع کسی غریب کا چراغ بیکسی بنکر چمکتی ہے اور یہی تاجدارون کے سر بفلک کشیدہ محلون مین اپنی روشنی پھیلاتی ہے - یہی چراغ بت خانہ ہے اور یہی شمع حرم - اسی کی روشنی مین لوگ سیہ کاری و بدمستی مین مشغول ہوتے ہین اور اسی نورانی پیکر کے سامنے نظر جما جما کے خداے واحد و برتر کی عبادت کی جاتی ہے - اسی کی مدد سے لوگ چوری کرتے ہین - ڈاکے ڈالتے ہین - اور اسی مشعل کی روشنی مین فیاضی و سخاوت کا اظہار کیا جاتا ہے - یہی لوگون کو گمراہی مین ڈالتی اور یہی چراغ ہدایت کا کام دیتی ہے - غرض دنیا مین جتنے کام ہوتے ہین اسی اچھون کی واقف راز اور بُرونکی عیب پوش شمع کی آنکھون کے روبرو ہوتے ہین -

گو جہان کی یہ سب شمعین بجاے خود ایک خاص لطف اور ایک خاص کیفیت رکھتی تھین مگر جو بات شمع وفا مین ہے کسی مین نہین - اس کا نور ازلی و ابدی ہے اور دونون جہان اسی کی روشنی سے جگمگا رہے ہین - اگر یہ نہ ہوتی تو اس عالم امکان کی صورت بھی نظر نہ آتی - وفا کی یہ شمع اُس نور وحدت کی یادگار ہے جس نے لفظ "کُن" کہکر سارے عالم کو روشن و منور کر دیا اور سمک سے سماک تک کفر و ظلمات کا نام باقی نہ رکھا -

یہ بظاہر خاموش ہے - منھ سے کچھ نہین کہتی - مگر اسکے دل کی آنکھ کھُلی ہوئی ہے اور سننے والونکے کانون مین اپنی پُرسوز زبان خاموش سے اپنے محامد و فضائل بھی بیان کر دیتی ہے اور ایسا دلکش نغمہ سُناتی ہے جسے سُن کے محبت بھرے دلون مین وجد و بےخودی کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ اس شمع وفا پر پروانہ وار نثار ہونے لگتے اور اس طرح ٹوٹ ٹوٹ کے گرتے ہین کہ سر و پا کا مطلق ہوش نہین رہتا -

شمع وفا کو سب سے پہلے کس نے روشن کیا؟ اور اسکی مصفا روشنی کہان کہان پڑی - یہ دیکھنے کی بات ہے - اگر دیکھنا چاہتے ہو تو چشم بصیرت سے دیکھو تمھین صاف نظر آئے گا کہ سب سے پہلے اس شمع کو اُس نور مطلق نے روشن کیا جو جمیع کائنات کا سبب تخلیق ہے اور اس کی نورانی روشنی

کو وہان تک پہونچایا جہانتک نہ ہماری عقل پہونچ سکتی ہے اور نہ ہمارا وہم وگمان۔

اسلامی نبرد آزماؤن کے نیزون مین یہی چمک رہی ہے اور دینی مجاہدون کے خنجرون مین اسی کی آب وتاب ہے۔ عابد شب زندہ دار اسی سے اپنا چراغ عبادت روشن کیا کرتا اور تفتیدہ جگر عاشق اسی کی بدولت اپنے دماغ دل مین چمک پاتا ہے۔ اسی کے نور سے کفر وشرک کی ظلمتین مٹین اور اسی کی حرارت سے آفتاب اسلام درخشان ومنور ہوا۔ اسی نے لوگون کو شاہراہ ہدایت تبلائی اور اسی نے انسان کو انسان کامل بنا دیا۔ غرض اس کی روشنی اسقدر عالمگیر ہوئی کہ دنیا کی کوئی محفل، کوئی مجلس اور کوئی جگہ ایسی باقی نہ رہی جہان یہ جلوہ افروز نہو۔ یہان کے نزہت بخش باغون، سرسبز وشاداب مرغزارون، اور دلستان مستانہ خرامیون سے بہنے والی ندیون، آباد زمینون، طوفان خیز سمندرون اور برف سے ڈھکے ہوے پہاڑون سے گذر کے اس کی نورانی کرنین لامکان تک پہونچ گئین اور پہونچتے ہی عرش کی لاکھون کرورون قندیلین روشن کردین۔ روشنی سے زیادہ دلچسپ اور دلکش اس شمع وفا کی تاریخ ہے۔ مگر تاریخ عالم کے کرم خوردہ وبوسیدہ اوراق پر نظر ڈالنے اور اس کے حالات معلوم کرنے مین اُتنا لطف نہین جتنا کہ ہم اس کی زبان حال سے اسکی ساری سرگذشت سنکر مزہ حاصل کر سکتے ہین۔ فی الحقیقت اے شمع وفا! اپنا حال تجھی کو خوب معلوم ہے اور تو ہی اچھی طرح تبا سکتی ہے کہ تو نے دنیا کو کیسے روشن کیا اور تیری نورانیت کا جلوہ کہان کہان نظر آیا؟

یہ سوال کرتے ہی ہم نے خیال کی عینک لگا کر اس طرح گھور گھور کے دیکھنا شروع کیا کہ دل کی لو اس شمع کی لو سے لگا دی اور عشق پسندی ووفا پرستی کے کانون کو اُس فرشتۂ محبت کی آواز پر لگا دیا جو روزانہ اس کی روشنی کو تیز کیا کرتا ہے۔

یکایک دل مین ایک نور کی کھڑکی کھل گئی اور عشق کا مورخ اس شمع وفا کی زبان سے یہ دلفریب سرگذشت سُنانے لگا:۔

"مجھے ابتدأ حضرت رب العزت نے نور محمدی کی شکل مین پیدا کیا۔ نور احدیت سے میرے سینہ کو منور فرمایا۔ اور ایک عرصۂ دراز تک عرش برین پر معلق ولمعہ افگن رکھا۔ اُس کے بعد جب صانع باکمال کو اپنے حسن بے زوال کا اظہار منظور ہوا تو مجھے بنی آدم کے واسطے چراغ رہنمائی بنایا اور حضرت آدم کا دل میرے نور سے (جو مادۂ تمام موجودات وخلاصۂ جمیع کائنات ہے) معمور کر دیا۔ حضرت آدم کی پیشانی پر جلوہ افروز ہوتے ہی مجھے ایسا نظر آیا کہ میری شعاعون سے

سارا عالم بقعۂ نور بن گیا ہے۔ اب وہ وقت آگیا ہے کہ سارے زمانے مین میری روشنی پھیلے اور تمام عالم میرے نور سے جگمگا اُٹھے۔ چنانچہ ایک خطا پر حضرت آدم خلد سے نکالے گئے اور جس تنگ و تاریک راستے پر پھینکے گئے اُس مین مین ہی نے شمع ہدایت کا کام دیا۔ اگر میری روشنی اُن کی رہنمائی نہ کرتی تو قدم قدم پر ٹھوکرین کھا کھا کے گرتے اور سنبھالے نہ سنبھل سکتے۔ الغرض میری روشنی مرتبہ بمرتبہ منتقل ہوتی ہوئی آنحضرت صلعم روحی فداہ کے جمال جہان آرا پر پرتوفگن ہوئی اور آپ کی روشن ضمیری نے مجھے جس قدر جِلا دی اور چمکایا وہ اظہر من الشمس ہے۔ آپ نے میرے چراغ مین اُخوت و مودت کا تیل ڈال کر جیسی روشنی کی وہ قیامت تک بجھنے والی نہین۔

آپ کے بعد صحابۂ کرام نے میرے نور کو چار دانگ عالم مین پھیلا دیا اور دنیا کے پردے پر کوئی جگہ ایسی باقی نہ رہی جہان میری روشنی لمعہ افگن نہو۔ مین ہی نے مشہور عاشقان عرب مجنون عامری قیس بن ذریح اور معبود کے دل مین بالترتیب لیلیٰ، لبنیٰ اور نفیرہ کی محبت کی آگ روشن کی۔ میری ہی روشنی سے نامور عاشقان فارس فرہاد و درارج کے دل و دماغ شیرین و شاہین کے عشق مین چمک اُٹھے۔ مین ہی نے یوسف و زلیخا کے دل مین الفت کا شعلہ بھڑکایا اور مین ہی نے وامق و عذرا کا چراغ محبت روشن کیا۔

مین ہی منصور حلاج کے دل مین شمع ہدایت بنکر چمکی اور میری ہی گرمی عشق نے حضرت ابوبکر شبلی کے منھ سے جوش و خروش کے ساتھ نعرۂ مستانہ نکلوا دیا جس کی صدا ذوق شناس کانون مین اب تک گونج رہی ہے اور حشر تک یونہی گونجا کرے گی۔ مین ہی نے ہیر رانجھا کے دلون مین آگ لگائی۔ میری ہی وجہ سے نل دمن کا سینہ جل کر کباب ہوا۔ اور مین ہی انٹونی و کلیوپیٹرا کے دل مین شمع وفا بن کر چمکی۔

قمری و شمشاد کے دل مین میری ہی گرمجوشی و زندہ دلی پیدا کی ہوئی ہے۔ گُل کے فراق مین بلبل میرے ہی دم سے دیوانے ہو رہے ہین اور ہمیشہ دیوانے بنے رہین گے۔ کبک و قمری کے عشق مین میری ہی روشنی عکس فگن نظر آتی ہے اور شمع و پروانہ میری ہی آگ مین جل رہے ہین اور صبح محشر تک برابر جلتے رہین گے۔

القصہ میرا فیض عام ہے۔ مین مومن و کافر مین وجہ امتیاز نہین پیدا کرتی۔ اور اُن کے دلونمین یکسان روشنی کرتی ہون۔ ذی روح و غیر ذی روح مین کوئی فرق نہین سمجھتی۔ اور اپنے نور کا پرتو دونون پر ڈالتی رہتی ہون۔ اب چاہے تم اپنی آنکھون سے میری شعاعون کو نہ دیکھتے ہو مگر اُنھی

شمعون اور چراغون کی روشنی مین چلتے پھرتے ہو جو میرے نور سے روشن ہوئے ہین۔
مین نے تمھین دنیوی تمدن و معاشرت اور تہذیب کے وہ وہ راستے دکھلائے جو تمھین کبھی خواب مین بھی نظر نہ آئے تھے۔ اور اسی پر اکتفا نہ کر کے مین نے راہ آخرت کی دور دراز گلیون مین بھی تمھاری ہی واسطے اپنی بجلی کے لیمپ روشن کر دیے تاکہ میرے نور کے اُجالے مین تم راہ نجات پا سکو اور اس تیرہ خاندان عنصری سے نکل کر اُس عالم نو مین پہونچ جاؤ جہان پہونچنے کے لیے ہر شخص بے چین و بے قرار ہے۔"
شمع وفا کی زبان سے یہ حالات سننے کے بعد کون شخص ہے جو نور ایمان رکھتا ہو اور اپنے دل مین اس کا چراغ روشن نہ پائے؟

راقم سید نظام الدین شاہ دلگیر اکبرآبادی۔

ریویو خاتونان ہند

مصنفۂ لالہ رگھوناتھ سہائے بی۔ اے ہیڈ ماسٹر دیال سنگھ ہائی اسکول لاہور

ہندوستان کے عہد انگلشیہ مین جو مختلف تحریکین مختلف اقوام ہند سے ظہور مین آئین افسوس ہے کہ ان مین بوئے تعصب ورنہ کم سے کم فرق و امتیاز ضرور پایا جاتا ہے جو ہندوستان کی کم نصیبی کی دلیل ہے۔ البتہ برہم سماج ایک ایسی مجلس ہے جس کے اصول کمال بے تعصبی پر مبنی ہین۔ اِس سماج والے کبھی دوسرے مذہب سے لڑتے جھگڑتے نہین بلکہ جس مذہب مین جو جو خوبیان ہین اُن کے وہ معترف اور مقر ہین۔ راجہ رام موہن رائے بڑے بیدار مغز اور روشن ضمیر بزرگ تھے۔ اُنھون نے ہندوستان کے مختلف اقوام مین ربط و اخلاص پیدا کرنے کے لیے اِس سماج کی بنا ڈالی تھی۔ لیکن افسوس ہے کہ اس تفرقہ پسند ملک نے اس کی قدر نہ کی اور یہ سماج ٹھٹھر کے رہ گئی۔ ورنہ وہ لوگ جو ملک کی بہی خواہی کا دم بھرتے ہین ان اصول پر کاربند ہو کر کام کرتے تو اس سے ایسے ایسے مفید اور عجیب نتائج پیدا ہوتے جو ملک کی کانگریسین اور ہوا ... باوجود سالہا سال کی کوشش کے پیدا نہین کر سکین اور اگر یہی لیل و نہار ہے تو شاید آئندہ بھی پیدا نہ کر سکین۔ اس سماج کا سب سے مقبول اور پسندیدہ فعل یہ ہے کہ وہ روے

مذاہب پر حملہ نہین کرتے جو انتہا درجے کی دل دُکھانے والی چیز ہے۔ بلکہ اُن سے مستفید ہونیکی کوشش کرتے ہین۔ چنانچہ حال ہی مین اس سماج کے ایک معزز ممبر نے آنحضرت پیغمبر خدا صلعم کے حالات پر ایک مختصر سی کتاب کمال بے تعصبی کے ساتھ لکھی ہے۔ جس کی نظیر ہندوستان کے کسی دوسرے فرقہ مین نہین ملتی۔ اور اُن کا یہ کام نہایت قابل قدر اور مستحسن ہے لیکن اسکے ساتھ ہی ہم افسوس کے ساتھ یہ دیکھتے ہین کہ اسی سال اس سماج کے ایک لائق ممبر نے ایک کتاب بنام **خاتونان ہند** شائع کی ہے جس مین غلط واقعات کی بنا پر مسلمانون کے ایک عظیم الشان بادشاہ پر اتہام لگایا ہے جو رنج دینے والی بات ہی۔ تاریخ مین اگر تحقیق سے کام نہ لیا جائے تو بجائے مفید ہونے کے مضر ثابت ہوتی ہے۔ اور اسی لیے تاریخ کا لکھنا بڑے محقق شخص کا کام ہے ہندوستان کا یہ زمانہ ایسا نہین ہے کہ اس مین اس قسم کی تالیفات بے سمجھے بوجھے شائع کی جائین۔ ہندو مسلمانون کا معاملہ بہت نازک ہوتا جاتا ہی اور بیجا اور ناروا حملون کے کرنے سے باہمی مخالفت اور بڑھتی ہے جو اس بدنصیب ملک کے حق مین سم قاتل کا اثر رکھتی ہے۔ اسلیے ہندو مسلمان مولفین و مصنفین کا فرض ہے کہ اس کا خاص لحاظ رکھین اور اپنی سہل انگاری اور کوتاہی سے ملک کو خواہ مخواہ نقصان نہ پہونچائین۔

اس کتاب مین ہندو مسلمانون کی ۲۸ مشہور عورتون کے حالات درج ہین۔ از انجملہ زوینا گڑھ کی شاہزادی کا حال بھی ہے۔ جس مین شہنشاہ اورنگ زیب پر سخت حملے کیے گئے ہین اور کوئی تاریخی ثبوت یا کسی تاریخ کا حوالہ نہین دیا گیا۔ ایسی سخت باتون کا لکھنا اور تاریخی حوالہ نہ دینا بہت بڑی جرأت کا کام ہے۔ تحقیق کرنے سے ہمین معلوم ہوا کہ اس کا ماخذ ٹاڈ کی کتاب راجستان ہے۔ ٹاڈ وہ شخص ہے جس نے راجپوتون کی حمایت مین مسلمانون پر نہایت رکیک اور دل دُکھانے والے حملے کیے ہین۔ اور اس کی کتاب جابجا فرضی واقعات اور غلط قصص و حکایات سے مملو ہے۔ مولف کتاب نے ان واقعات کو بلا تحقیق ہو بہو نقل کر دیا ہے۔ اور ٹاڈ کی کتاب کا بھی حوالہ نہین دیا۔ اور سب سے بڑے لطف کی بات یہ ہے کہ اس شاہزادی کے حالات تو دونون صاحبون نے لکھے ہین مگر شاہزادی کا نام کسی نے بھی نہین لکھا۔ جو کس قدر مشتبہ بات ہے۔

شروع ہی مین مؤلف کتاب لکھتا ہے کہ "تواریخ کے پڑھنے والون سے یہ امر پوشیدہ نہین ہے کہ مغلیہ خاندان کی سلطنت اکبر جہانگیر اور شاہ جہان کے عہد مین بہت عروج پر تھی اور

اورنگ زیب کا زمانہ شروع ہوتے ہی اس زبردست سلطنت مین کھلبلی مچنی شروع ہو گئی - اورنگ زیب نے دیکھا کہ اُس کی سلطنت ڈگمگانی شروع ہو گئی ہے تو اُس نے مختلف قسم کی چالین چلنی شروع کین - ہندوؤن کو خوش کرنے کے لیے اُس نے یہ سوچا کہ اپنے دادا کی طرح راجپوتون سے رابطۂ اتحاد پیدا کرے - چنانچہ اِس ارادہ کو عملی شکل دینے کے لیے اُس نے اپنے قاصدون کے ذریعہ سے کسی لائق راجپوت شاہزادی کی تلاش شروع کی - ہوتے ہوتے اُسے معلوم ہوا کہ روپنا گرمہ کی شاہزادی نہایت حسین اور شادی کے قابل ہے - چنانچہ اُس کے دل مین یہ زبردست خواہش پیدا ہوئی کہ جس طرح ہو سکے اُسے اپنے عقد مین لائیے - الغرض دو ہزار سوار ایک افسر کے ماتحت روانہ کیے تاکہ وہ شاہزادی کو باحتیاط دہلی لے آئین ” ہمین یقین ہے کہ جس کسی نے ہندوستان کی تاریخ بغور یا سرسری طور سے بھی پڑھی ہے وہ کبھی اسے تسلیم نہ کرے گا - وہ مورخ جو اورنگ زیب کی پالیسی کے سخت مخالف ہین اُنھون نے بھی اُس کے پرائیویٹ کیریکٹر کی بے انتہا تعریف کی ہے - جو خیال ناول صاحب یا مولف کتاب نے یہان ظاہر کیا ہے اس کا پتہ کسی تاریخ سے نہین ملتا - اس کے بعد وہ لکھتے ہین کہ ”جب شاہزادی کو یہ حال معلوم ہوا تو اُس نے علانیہ یہ کہا کہ اورنگ زیب کی بیوی بننے کی نسبت مین موت کو ترجیح دون گی اور فوراً میواڑ کے رانا راج سنگھ سے شادی کر لی - جب یہ حال اورنگ زیب کو معلوم ہوا تو اُس کے تن بدن مین آگ لگ گئی اور شکار کے ہاتھ سے نکل جانے پر کف افسوس ملنے لگا - آخر قہر درویش برجان درویش خون جگر کھا کر چپ ہو بیٹھا اور تاک مین رہا کہ کب موقع ملے کہ رانا اور شاہزادی سے دل کھول کر بدلا لے“ قطع نظر اس کے کہ واقعات کا گلا گھونٹا گیا ہے - طرز تحریر کس قدر رکیک اور لغو ہے - اِس کے بعد اُس خط کا ذکر کیا ہے جو رانا نے اورنگ زیب کو لکھا ہے اور جس کا صحیح ہونا اب تک پایۂ ثبوت کو نہین پہونچا ہے - مولف کتاب لکھتے ہین کہ اس خط کے پہونچتے ہی ” اورنگ زیب نے مصمم ارادہ کر لیا خواہ کچھ ہی ہو رانا کو نیچا دکھا کر شاہزادی کو اپنے عقد مین لائے “ اس قسم کی رکیک اور ذلیل باتین اورنگ زیب کی طرف منسوب کرنا انتہا درجہ کی جرأت اور دروغگوئی ہے - اورنگ زیب کی پارسائی اور اتقا پر تمام مورخین کا اتفاق ہے - اور اُس پر اِس قسم کا اتہام وہی شخص لگا سکتا ہے جو تاریخ سے محض ناواقف ہے -

پھر وہ لکھتے ہین کہ ” اورنگ زیب نے طیش مین آکر جنگ کی تیاریان کین - شاہزادی کے اصرار

اور حوصلہ دلانے سے رانا اور اُس کی فوج لڑی اور پہاڑون مین پناہ لیکر شاہی فوج پر وہ غضب توڑا کہ صرف تھوڑے سے آدمی بچکر واپس گئے۔ اور رانا کو عظیم الشان فتح حاصل ہوئی۔"

اس واقعہ کے متعلق صاحب مآثر الامرا جو خود بھی اورنگ زیب کا مخالف ہے لکھتا ہے کہ "جزیہ کی وجہ سے بعض راجپوت راجاؤن مین بیدلی پھیلی اور رانا اُدیپور نے سرکشی اختیار کی لہذا سال بست وسوم جلوس مین اُس کی گوشمالی ضرور ہوئی۔ رانا اُدیپور کو چھوڑ کر بھاگ گیا اس لیے حسین علی خان کی سرکردگی مین اُس کے تعاقب کے لیے فوج روانہ کی گئی اور بعد ازان محمد اعظم شاہ وسلطان بیدار بخت نامزد ہوے۔ رانا وطن سے نکل کر آوارۂ و پریشان ہوگیا اور آخر شاہزادے سے شفاعت کا ملتجی ہوا اور پرگنۂ ماندل وبدہنور سرکار بادشاہی کے نذر کیے۔ شاہزادے کی سفارش سے خطاب و منصب پنجہزار سوار بحال ہوئے۔"

مؤلف کتاب نے اصل واقعہ کو کس قدر رنگ آمیزی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور رات کو دِن اور دن کو رات کر دکھایا ہے۔

یہی رانا راج سنگھ تھا جس کی اورنگ زیب کے دربار مین ہمیشہ عزت افزائی ہوئی اور بار خلعت وغیرہ عطا ہوئے۔ چنانچہ مآثر عالمگیری کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ "سال ۱۸ جلوس مین رانا راج سنگھ کو خلعت خاصہ وجمدھر مرصع و فرمان عنایت عنوان کے ارسال سے معزز فرمایا۔"

اِس کے بعد مصنف مآثر عالمگیری اِسی اطاعت کیش اور وفادار راجہ کی نسبت لکھتا ہے کہ "سال ۲۲ جلوس مین فرمان وخلعت وسرپیچ مرصع اور بیس ہزار روپیہ ارسال کیے گیے۔ سال ۲۴ جلوس مین محمد نعیم رانا راج سنگھ کی وفات پر اس کے بیٹے جے سنگھ کے پاس خلعت تعزیت لیکر گیا۔"

اس تاریخ مین یہ بھی لکھا ہے کہ "سال ۴۳ جلوس مین رانا راج سنگھ کے بیٹے اندر سنگھ کو دوہزاری ہزار سوار اور دوسرے بیٹے بہادر سنگھ کو ہزاری پانصد سوار کے مناصب سے معزز و مفخر فرمایا۔

جس بادشاہ کی راجہ اور اُس کے بیٹون کے ساتھ یہ عنایتین ہون اُس کی نسبت ایسے بہتان باندھنا بہت ہی شرمناک بات ہے۔"

اس شاہزادے کے حالات مین یہ بھی لکھا ہے کہ "ایک سال بہت سخت قحط پڑا۔ رانی نے بے مثل ہمدردی اپنی رعایا کے ساتھ ظاہر کی خود گھر گھر پھر کر روپیہ و خوراک تقسیم کی

اور ایک بڑا کام یہ کیا کہ دریاے گومتی مین پشتہ باندھکر ایک خوبصورت جھیل بنوائی"۔
ٹاڈ نے اس کارخیر کو رانی سے منسوب نہین کیا بلکہ راجہ سے کیا ہے۔ یہ تالاب راج سمندر کے
نام سے مشہور تھا۔ خود نام بتا رہا ہے کہ اس کام کا کرنے والا راج سنگھ تھا۔ لیکن ہماری سمجھ مین
یہ نہین آیا کہ دریاے گومتی مین پشتہ باندھنے سے میواڑ می جھیل کیسے بنگئی۔ دریاے گومتی
ممالک متحدہ مین واقع ہے اور ایک دریا اسی نام کا بنگال مین ہے۔ دریاے گومتی اُس حصۂ
زمین سے بہتا ہے جو دریاے گارا و گھاگھرا کے درمیان واقع ہے۔ اس کا منبع ایک چھوٹی سی
جھیل پھالجر تال ہے جو پیلی بھیت سے ۱۰ میل کے فاصلے پر ہے اور پانسو میل کا فاصلہ
طے کرنے کے بعد یہ دریاے گنگا مین جا گرتا ہے۔ اس کا طول البلد ۸۰ درجہ اور عرض البلد
۲۹ درجہ ہے لہٰذا صاف ظاہر ہے کہ یہ بیان بھی غلط ہے۔
سخت تعجب کی بات ہے کہ ایک ایسی کتاب جو ملک کے لڑکون لڑکیون اور نوجوانون کے
ہاتھ مین جائے گی اس قسم کے بے سروپا اور غلط واقعات اور بیانات سے مملو ہے۔
ہمارے ہموطن بھائیون کو ایسے معاملات مین بڑی احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ خصوصاً
جب واقعات اس طرح کے ہون کہ اُن سے کسی دوسرے فرقہ کی دل آزاری کا اندیشہ ہو تو
خاص طور پر تحقیقات اور بے تعصبی سے کام لینا چاہیے۔ ہمارے انھین حرکات سے
ملک کی حالت روز بروز ابتر ہوتی جاتی ہے اور جبتک ہم تعصب اور تنگدلی کو نہ چھوڑینگے
اُس وقت تک کوئی تدبیر خواہ وہ کیسی ہی اعلیٰ کیون نہو ملک کے لیے مفید نہین ہوسکتی۔

عبدالحق۔ از حیدرآباد دکن۔

مربیان دلگداز

آپ کی عنایت و محبت کے سہارے پر آپ کا یہ پسندیدہ پرچہ جاری کر دیا گیا۔
اور اُسی شان سے جو شروع شروع مین اس دلچسپ پرچہ کی تھی۔ اب قیمت بھی صرف
عہ ہے۔ کوئی دشواری نہین کہ آپ اپنے کل احباب کو اس کا خریدار بنا دین۔
سال مین ایک روپیہ ایسے اعلیٰ درجے کے لٹریچر کے لیے کسی طرح گران نہین۔

منیجر دلگداز۔

لندن اور لکھنؤ کے مشرقی و مغربی حصے

اِس عصر کے اہل اور دولت برطانیہ کے دارالسلطنت شہر لندن کے شرقی و غربی حصون کو ایک خاص حیثیت سے شہرت و ناموری حاصل ہے۔ کیونکہ یہ دونون حصہ ایک دوسرے کے مقابل مین عجیب قسم کا اختلاف و امتیاز رکھتے ہین۔ مغربی حصۂ لندن دولت مندی اور شان و شوکت کا مرکز ہے۔ بڑے بڑے اُمرا۔ اعلیٰ درجہ کے مدبران سلطنت۔ اور دولتمند تاجر اسی حصہ مین رہتے ہین۔ مشہور زمانہ تھیٹر۔ عالیشان ہوٹل۔ اور ارلس کورٹ اور اُلمپیا کی سی تفرج گاہین سب اسی مغربی شان و شوکت کے آغوش مین نظر آتی ہین۔ اعلیٰ درجہ کے کلب۔ جادو نگاہ دلرباؤن اور ماہوش خاتونون کی عشرت گاہین۔ عالی مرتبہ لارڈون اور معزز ڈیوکون کی باشان و شوکت محفلین۔ اور علما و فضلا کی نکھری صحبتین سب شہر کے اِسی سواد مین ہین جو نمونۂ فردوس بن بنا ہوا ہے۔ یہین وہ باعظمت و جبروت عمارتین قائم ہین جنکی دنیا مین شہرت ہے۔ اور یہین کی انجمنون اور دعوتون مین وہ فصیح و بلیغ اسپیچین سنی جاتی ہین جو مدتون تک اطراف عالم مین گونجتی رہتی ہین۔ پارلیمنٹ کی اعجوبۂ روزگار عمارت یہین ہے۔ ایوان خسروی و قصر شہریاری یہین ہے۔ برٹش میوزیم۔ میکنکل میوزیم۔ اور نیچرل ہسٹری میوزیم یہین ہین۔ دفاتر سرکاری۔ اعلیٰ عدالتین۔ دست منسٹر ایبی۔ اور سنیٹ پالس کیتھیڈرل یہین ہین۔ اور ہائڈ پارک۔ اور رجنیٹ پارک کی سی فرحت بخش و جانفزا نزہت گاہین بھی یہین ہین۔ یہی حصہ فیشن کا سانچہ ہے یہین کے درزی لباس مین روز ایک نیا بانکپن پیدا کرنے کے بادشاہ ہین۔ یہی کی بیگمین اور خاتونین ورتنا نیس دھجین نکالتی اور ہر لحظہ بوضع دگر آن یار برآمد" کی مصداق بنی رہتی ہین۔ یہین ہر موسم دلون مین نئی امنگین پیدا کرتا ہے یہین روز نئی وضعین ایجاد ہوتی ہین۔ یہین کی ترش

خواہش پر ساری دنیا کی نظر رہتی ہے - اور اسی کی سڑکون پر پھر پھر کے نوجوان عیاشی وعشرت پرستی کے نئے نئے کرشمے دیکھتے سیکھتے اور فیشن ایبل بنتے ہین -

یہ تو لندن کا مغربی حصہ تھا - اب مشرقی حصہ کو بھی دیکھ لیجیے جو نکبت و فلاکت اور تباہی وخستہ حالی کا سب سے زیادہ عبرت ناک نمونہ تصور کیا جاتا ہے - یہ حصۂ لندن وحشت ناک جہالتون اور خوفناک بے حمیتیون کا ظلمت کدہ بنا ہوا ہے - غربت و افلاس نے یہان تہذیب و شرافت کے ساتھ عصمت وغیرت کو بھی پامال کر ڈالا ہے - بہت کم ایسی سڑکین ہین جن مین کسی مہذب وشائستہ آدمی کو دلچسپی ہو سکے - اور بعض سڑکون پر تو بدتمیزی و بے شرمی اور جہالت و تنگدستی ایسی ہیبت ناک صورت مین رہتی ہین کہ مہذب وشریف آدمی عزت وآبرو کے اندیشے سے گذر نہین سکتا بڑی بڑی مصنفون اور اعلیٰ مرتبہ کے جادو نگارون نے اس حصۂ شہر کی تباہیون اور مصیبتون کو عبرت ناک الفاظ اور موثر عبارتون مین ظاہر کیا ہے - کہا جاتا ہے - کہ افلاس وفاقہ زدگی نے یہان نہ عصمت ہی باقی رکھی ہے اور نہ شرافت - ڈاک یارڈ اور بڑے بڑے کارخانہ اس حصہ مین قائم ہین جنسے غریب مزدورون کی بہت کچھ پرورش ہو جاتی ہے - مگر پھر بھی گنجان آبادی کے غریب بسنے والون کو اکثر کو نہ پیٹ بھر روٹی ملتی ہے - اور نہ بقدر ضرورت کپڑا - جس کی وجہ سے انتہا درجہ کی بدکاری و بے شرمی - اور حد سے زیادہ بے حیائی و عصمت فروشی کے کرشمے نظر آتے رہتے ہین -

اس امتیاز نے یہ فرق پیدا کر دیا ہے - کہ مغربی حصہ کی دکانون مین اگر اعلیٰ قسم کا مال نہایت گران قیمت پر ملتا ہے - تو مشرقی حصہ مین ذلیل سے ذلیل اور خراب سی خراب چیزین بہت ہی سستی فروخت ہوتی ہین - اور اس پر مشرقی لندن کے غربا بسر نہین کر سکتے - لیکن اس غربت و فلاکت پر بھی مشرقی لندن اعلیٰ درجہ کی عمارتون اور بڑے بڑے مکانون سے بھرا ہوا ہے - جو سلسلہ وار بڑے بڑے سربہ فلک پہاڑون کی طرح قائم ہین - اور ان کے بھٹون اور کھوؤن یعنی تنگ وتاریک حجرون اور تہ خانون مین ہزارہا مخلوق رات کو اس طرح بہائم کے مثل بھر دی جاتی ہے کہ نہ باپ بیٹی کا امتیاز باقی رہنے پاتا ہے نہ بھائی بہن کا -

اب مغرب زمین کو چھوڑ کے ارض مشرق مین آئیے اور ہمارے مرحوم شہر لکھنؤ

پر ایک نظر ڈالیے۔ اِس شہر کے مشرقی و مغربی حصون مین بھی وہی تقابل تضاد نظر آئے گا جو لندن مین نظر آیا تھا۔ مگر فرق اتنا ہے کہ لندن کا مغربی حصہ شان و شوکت۔ دولت و امارت۔ اور شائستگی و تہذیب کا نمونہ ہے اور لکھنؤ کا مشرقی حصہ جس کی عمارت و آبادی سے مرفہ الحالی اور رونق کے ثبوت ملتے ہین۔ اسی کے مقابل لندن کا مشرقی حصہ اگر فلاکت و افلاس کا ظلمت کدہ ہے تو لکھنؤ کا مغربی حصہ جہان تباہی و بربادی اور فلاکت و ذلت کی کوئی انتہا نہین باقی رہی۔

یورپ والے مشرق کو عیش و عشرت اور شان و شوکت کا گھر تصور کرتے ہین۔ اور مشرقی دنیا بخصوص ہندوستان والون کے خیال مین ارض مغرب ہر قسم کی ترقیون۔ شاندار یون۔ اور دولت مندیون کی مرکز ہے۔ اِس مناسبت سے لندن اور لکھنؤ کا یہ باہمی اختلاف چندان بے محل و بے موقع نہین۔ تاکہ مغربی سیاح کو یہان کے مشرقی حصۂ شہر مین اپنے خیال کی مشرقی دھوم دھام نظر آجایا کرے۔ اور ہندوستان کے طالب علم کو وہان پہونچتے ہی مغربی حصۂ شہر مین وہ مغربی دھوم دھام شان و شوکت اور زینت و آرایش نظر آجاے جسکے خواب دیکھتا ہوا وہ بحرۂ روم کے پار ہوتا ہے۔ مگر لکھنؤ اور لندن کا مقابلہ ہی کیا۔ چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک۔ سچ تو یہ ہے کہ صحیح تقابل یون نہین معلوم ہو سکتا کہ لندن کے ایک دولتمند حصہ کا وہین کے ایک فلاکت زدہ حصہ سے اور لکھنؤ کے ایک آباد حصہ کا یہین کے ایک پامال حوادث حصہ سے مقابلہ کیا جاے۔ اگر اصلی و حقیقی مناسبت دیکھنی ہے تو چاہیے کہ لکھنؤ کے بارونق مشرقی حصہ کا لندن کے پُر از عیش مغربی حصہ سے اور لکھنؤ تباہ شدہ مغربی حصہ کا لندن کے افلاس زدہ مشرقی حصہ سے مقابلہ کیا جاے تاکہ وہان کی دولت مندی کا یہان کی دولتمندی کے مقابلہ مین اور وہان کی فلاکت کا یہان کی فلاکت کے مقابلے مین اندازہ کیا جا سکے۔

اِس مین شاید کسی کو شک نہ ہوگا کہ لندن کی شوکت و حشمت کے مقابلے مین لکھنؤ کی دولت کوئی چیز نہین۔ جس شہر کی عظمت و شان کا مقابلہ سارے روے زمین کا کوئی شہر نہ کر سکتا ہو اُس کے مقابل مین لکھنؤ کا نام لینا ہی بے عقلی ہے۔ نہ لکھنؤ کو ویسی سلطنت نصیب ہو سکتی ہے۔ اور نہ ویسی لیاقت و شائستگی۔ نہ ویسی سربہ فلک عمارتین نصیب ہو سکتی ہین۔ اور نہ ویسی تفرج گاہین۔ اور اسی سے اس کا بھی اندازہ

ہوجاتا ہے کہ لندن کی دولت کے مقابلہ مین لکھنؤ کی دولت وہی نسبت رکھتی ہے جو وجود کو عدم سے ہے۔ مگر فلاکت و تباہی مین ہمارا لکھنؤ لندن کے مشرقی حصہ سے البتہ مقابلہ کرسکتا ہے۔ اور ایسا مقابلہ کہ ہر حال مین وہی کامیابی کی اُمید رکھتا ہے۔

واقعی یہ بات لطف سے خالی نہین کہ اس بے مائگی پر بھی لکھنؤ ایک حیثیت سے لندن کا مقابلہ کرنے کو موجود ہے۔ اور یہ نہین کہا جاسکتا کہ لندن کے مقابلہ مین لکھنؤ کا نام ہی نہ لینا چاہیئے۔ کیونکہ اگر لندن دولت مندی مین بڑھا ہوا ہے۔ تو لکھنؤ فلاکت زدگی مین۔ ہم اگر لندن کی شان وشوکت اور وہان کے تزک واحتشام کا مقابلہ نہین کرسکتے تو وہ بھی ہماری تباہی و بربادی اور نکبت و فلاکت کا مقابلہ نہین کرسکتا۔

لکھنؤ کی تباہی و بربادی! کس کی زبان کو یارا ہے کہ اُسے بیان کرسکے؟ اور کس قلم مین طاقت ہے کہ اُس کا اظہار کرسکے؟ اے انگریزی زبان کے جادو نگارو! اور اے انگلش لٹریچر کے معجز بیانو! تم نے مشرقی لندن کی فلاکت زدگی و مفلسی اور وہان کی نکبت ومصیبت کو بہت زور دے کے بیان کیا ہے۔ اپنی اس جادو بیانی سے تم نے بہت سے دلون کو زخمی کردیا ہے۔ بہت سے کلیجون مین ناسور ڈالدیے ہین۔ اور اپنے دیگر کمالات کی طرح اپنی مصیبت کو بھی تم نے دنیا مین بے مثل و نظیر ثابت کردیا ہے۔ مگر صرف اس وجہ سے کہ تم نے لکھنؤ کی تباہی کو نہین دیکھا۔ تم جانتے ہی نہین کہ تباہی و بربادی کیسی ہوتی ہے۔ اور نکبت و فلاکت کسے کہتے ہین۔ اگر لکھنؤ کی نکبت ومصیبت کے سین تمھاری نظر سے گذرے ہوتے تو لندن کی فلاکت دکھانے کے لیے تمھارے قلم مین یہ زور ہی نہ باقی رہتا۔ اور تم خود سمجھ جاتے کہ یورپ کی مسکنت و فلاکت کے بیان مین جو الفاظ مبالغہ شاعرانہ خیال کیے جاتے ہین وہ لکھنؤ کے حق مین حقیقت حال ہین۔

اِس مین شک نہین کہ دنیا مین اور بھی تباہی زدہ شہر موجود ہین۔ اور صدہا عظیم الشان شہر تھے جو آج خستہ و خراب اور تباہ و ویران پڑے ہوئے ہین۔ مگر اُن سب کی سرگذشتین داستان کہن ہوچکین۔ اور اُن کے عروج و اقبال کا تماشا دیکھنے والے آغوش لحد مین لیٹ کے ایسے خاموش ہوگئے کہ قیامت تک شکایت نہ کرین گے۔ نہ اُن کے کھنڈرون پر کھڑے ہوکے کوئی آہ کھینچنے والا باقی رہا۔ اور نہ اُن کی تباہی کا مرثیہ سنانے والا۔ مگر لکھنؤ! آہ لکھنؤ! تیری رونق و

عظمت شب گذشتہ ہی کی پرلطف محفل تھی جسکی یاد ہر دل مین تازہ ہے - اور دیکھنے والون کو بھلائے نہین بھولتی - تیری رونق کے دیکھنے والے ہزارون زندہ ہین سیکڑون آنکھین ہین جن کے سامنے تیرے جاہ وجلال کی تصویرین پھر رہی ہین -

مغربی حصۂ لکھنؤ وہ لکھنؤ ہے جو گزر گیا - کبھی تھا اور اب نہین ہے تباہی و بربادی مین کہین یہ ہوتا ہے کہ مکان ہین اور مکین نہین - یہان یہ عالم ہے کہ نہ مکین ہی رہے نہ مکان ہی رہے - صدہا محلے ہین جن کے نام میونسپلٹی کے رجسٹر مین موجود ہین مگر اُن مین نہ کوئی مکان رہا نہ کوئی بسنے والا - یہان جو لوگ رہتے تھے - اُنھون نے اپنے مکانون کا آخر تک ساتھ دیا - جب عالیشان محلسراؤن کی دیوارین گرین تو نازنینان حرم (پاکدامن خاتونین اور بیگمین) چادرین تان تان کے بسر کرنے لگین - جب چھتین رخصت ہوئین تو چھپر ڈال لیے - اور یہ بھی نہ نصیب ہوا تو آسمان ہی کے نیچے بسر کرنے لگین یہان تک کہ فلک بے مہر یہ بھی نہ دیکھ سکا اور وہ سب ایڑیان رگڑ رگڑ کے اور فاقہ کر کر کے مر گئین -

لکھنؤ! تیرا مغربی حصہ ہزارہا آرزؤن کا گنج شہیدان اور لاکھون حسرتون اور تمناؤن کا گور غریبان ہے - کیسے کیسے عالیشان محل - اور کیسی کیسی سربہ فلک عمارتین آنکھون کے دیکھتے ہی دیکھتے خاک مین مل گئین - صرف دو عمارتین ایک نواب آصف الدولہ کا مشہور امام باڑہ اور دوسری حسین آباد کی بارونق عمارت اس لیے باقی رہ گئی ہین کہ اپنی گرد و پیش کی آبادی اور باشان و شوکت ایوانون کے کھنڈرون پر کھڑے ہوکے اور اُن کی طرف اشارے کر کر کے اُن کا مرثیہ سنائین اور زمانے کو مدت ہاے دراز تک یاد دلاتی رہین - کہ یہان کبھی کیسی عظمت و شوکت اور کس درجہ کی دھوم دھام تھی - آس پاس کے محلون مین کیسی چہل پہل رہتی تھی - اور گلی کوچون مین کیسی بھیڑین لگی رہتی تھین -

لکھنؤ مین باہر کے ہزارہا سیاح آتے - اور آباد مشرقی حصہ کی سیر کر کے چلے جاتے ہین - اُنھین خبر بھی نہین ہونے پاتی کہ اسی شہر کے مغربی حلقہ مین کیا قیامت بپا ہو گئی - اور کس طرح بڑے بڑے محلون کی جگہ جن مین کبھی دولت و حشمت کے بہترین نمونے نظر آتے تھے ہل چل رہا ہے - جدھر دیکھیے ایک عالم ہو ہے - ادھر طرف

موت کا سناٹا طاری ہے - کاش کوئی سیاح دو قدم چل کے اِدھر آتا اور اِس ادبار نصیبی کے سین کو بھی دیکھتا - اور کسی دیرینہ سال فلاکت زدہ شخص سے جس نے اِن کھنڈرون نے مرتے دم تک نباہنے کا وعدہ کر لیا ہو - اور یہین کی گری پڑی اینٹون پر بیٹھا ہوا عبرت روزگار کا تماشا دیکھا کرتا ہو یہان کی سرگذشت سنتا تو اُسے معلوم ہوتا کہ اِس مقتل آرزو مین کیسے کیسے مکان کھُدے - اور کیسے کیسے پُر فضا چمن اُجڑ گئے ہین -

مشرقی لندن مین افلاس ہے - مگر ایسا افلاس جسکو انسان برداشت کر سکتا ہے - جو لوگون کو تنگدست بناتا ہے مگر مارتا نہین - آبادی کو نکبت مین مبتلا کرتا ہے مگر اُجاڑتا نہین - لیکن مغربی لکھنؤ کا افلاس وہ افلاس ہے جو اپنے مظلومون کو روندتا اور پامال کر ڈالتا ہے - جس کو سہنا انسانی قوت سے باہر ہے - اور جو چند ہی روز مین عمارتون کی اینٹ سے اینٹ بجاتا - اور زندون کو سوا آغوش لحد کے کہین پناہ نہین لینے دیتا -

مشرقی لندن کی فلاکت کے نوحہ خوان انگلستان کے نازک خیال شعرا - جادو بیان اسپیکر - اور معجز نگار ناولسٹ ہین - مگر مغربی لکھنؤ کی تباہی پر کوئی رونے اور دو آنسو بہانے والا بھی نہین - شعرا کو گل و بلبل کی داستان سے چھٹی نہین - اسپیکر ہندو مسلمانون کے مابین تفرقہ اندازی کر رہے ہین - اور ناولسٹ یا اگلے قصہ سُناتے یا حُسن و عشق کی داستانین چھیڑتے ہین -

مشرقی لندن کے تباہی سے بچانے کے لیے رحم دل اور دردمند قوم سلطنت نے وہان صدہا کارخانے قائم کر دیے ہین - ڈاک یارڈ بنوا دی ہے - جن چیزون کی وجہ سے لاکھون مخلوق اپنا پیٹ پال سکتی ہے - زمین کے نیچے ریل - اور اوپر ٹریموے - اور آہنی بس گاڑیون کو جاری کر دیا ہے تاکہ اُس حلقہ کے رہنے والے نہایت آسانی سے آباد و پُر دولت حصۂ شہر مین پہونچ سکین جہان رات دن ہُن برستا ہے - بہ خلاف اِس کے مغربی لکھنؤ کی خانہ بربادی کی طرف گورنمنٹ نے بھی توجہ نہ کی - اور جتنے کارخانے اور کاروبار ذریعۂ معیشت ہو سکتے تھے سب مشرقی حصۂ شہر ہی کے لیے مخصوص تصور کیے گئے - متعدد ریلوے لائنون مین سے کسی نے کوئی اسٹیشن بھی وہان قائم نہ کیا - غرض اِن سب چیزون کے ذریعہ سے مشرقی

حصہ شہر ہی کی رونق و آبادی مین اضافہ کیا گیا۔

لکھنؤ کے سب سے بڑے دوست مسٹر بٹلر تھے۔ جنھون نے شہر کے گلی کوچون مین پھر پھر کے اور صدہا تجویزین نکال کے شہر کی رونق دوبالا کرنے کی کوشش کی۔ مگر افسوس یہ بدنصیب حصۂ شہر اُن کی نظر کیمیا اثر مین بھی قابل ہمدردی نہ ثابت ہوا۔ اُنھون نے بھی اِس کی طرف سے چشم پوشی کی۔ میونسپلٹی کے ممبرون سے کچھ امید ہو سکتی تھی مگر اُن کو بھی اُن آباد محلون کے سوا جن مین اُن کی عالیشان کوٹھیان واقع ہین اِس اُجاڑ حصۂ شہر سے کوئی ہمدردی نہین۔

مردم شماری کی رپورٹین بتا رہی ہین کہ مغربی لکھنؤ کی آبادی اِس قدر گھٹتی جاتی ہے کہ ہر دس سال بعد سو مین پچیس آدمی بھی نہین باقی رہتے۔ اور اب اِس درجہ کو پہونچ گئی ہے کہ آئندہ مردم شماری مین شاید دو ہی چار آدمی باقی رہ جائینگے مگر اسکی طرف نہ گورنمنٹ ہی کو توجہ ہے۔ اور نہ اُن باختیار اراکین شہر کو جو کچھ کر سکتے ہین۔ بہرحال اے تباہ و ویران مغربی لکھنؤ تباہی و بربادی مین کوئی شہر تیرا مقابلہ نہین کر سکتا اور تیری تباہی وہ تباہی ہے جس سے بچانے کے لیے کسی کو تجھ سے ہمدردی بھی نہین۔ بہرحال بس ایک خدا کی ذات ہے جس سے اُمید کی جا سکتی ہے۔ مگر بظاہر وہ بھی تجھ پر مہربان نہین نظر آتا۔

اُردو لٹریچر

انگریزی دانون یا اُن لوگون کو جو آج کل کی اصطلاح مین تعلیم یافتہ تسلیم کیے جاتے ہین اپنی مادری زبان اُردو کے متعلق سب سے بڑی شکایت یہ ہے کہ بہت ہی محدود زبان ہے۔ اور نازک خیالات یا اعلیٰ مضامین اُس مین نہین ادا کیے جا سکتے اور انشا پردازی جیسے کمالات اور جیسی خوبیان انگریزی یا دیگر زبانون مین پیدا کر سکتی ہے۔ اُردو مین نہین پیدا کر سکتی۔

حقیقت یہ ہے کہ اُردو باوجود اِن ترقیون کے جو اُسے اگلے اور پچھلے دورون

مین حاصل ہوتی رہین نہایت ہی بدنصیب زبان ہے - پچاس سال پہلے جب ہندوستان مین عربی و فارسی کا دور دورہ تھا خود اُردو بولنے والون اور صاحب علم اہل زبان کا یہ خیال تھا کہ عربی و فارسی کے سامنے اُردو کوئی وقعت نہین رکھتی۔ فصاحت و بلاغت کا سرچشمہ عربی ہے - اور اُس سے تھوڑا بہت فیض قابلیت اگر کسی زبان کو حاصل ہوا ہے تو وہ فارسی ہے - جس کے لٹریچر مین غیر معمولی شیرین زبانی - اور جس کی نظمون مین بہت ہی اعلیٰ درجہ کی نازک خیالی و بلند پردازی موجود ہے - غرض اُن کے مذاق مین جو کچھ خوبیان تھین عربی و فارسی کے لٹریچر مین تھین - اُردو کوئی چیز نہ تھی -

اب عربی و فارسی مذاق کے ختم ہونے کے بعد جب انگریزی کا دور شروع ہوا - اور ہمارے تعلیم یافتہ مغربی مذاق سخن سے آشنا ہوئے تو اُنھون نے عربی و فارسی کو تو یہ کہہ کے خارج از بحث کر دیا کہ ہم اُن زبانون سے واقف نہین - مگر بہ مجرائے "نادہ بر عضو ضعیف سے ریزد" اُن کی اعلیٰ تعلیم اور مسلم الثبوت قابلیت کا سارا بار بھی غریب اُردو ہی پر پڑنا شروع ہوا - اور ہر طرف سے یہ صدا بلند ہوئی کہ اُردو نہایت ہی ناقص زبان ہے - اس مین نہ انگریزی کی سی فصاحت و بلاغت ہے ! اور نہ مغربی مذاق سخن کی سی دلفریبیان -

خلاصہ یہ کہ یہ نصیب اُو جس طرح پہلے دور مین بدنام تھی اُسی طرح اس دور مین بھی بدنام ہے - جیسے اگلے دنون صدہا شعرائے سخن سنج پیدا ہو جانے - گھر گھر مشاعرون کی گرم بازاری ہونے - میر - سودا اور غالب و ذوق کے ایسے پیغمبران سخن کے غزل سرائی کرنے - اور سرور کے ایسے جادو بیان نثار کے داد فصاحت دینے پر بھی اُردو کوئی عمدہ اور قابل توجہ زبان نہ سمجھی گئی - ویسے ہی اب باوجود اس کے کہ دولت برطانیہ کی توجہ سے اُردو عدالت پر حکومت کر رہی ہے - تمام ملکی مراسلت اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ اُردو مین جاری ہے - آزاد مولوی نذیر احمد اور سرسید کے سے جادو بیان نثار - حالی کے سے معجز نما شاعر - مولوی شبلی کے سے مورخ اپنے زور قلم کے جوہر دکھا رہے ہین - شہر شہر اور قصبہ قصبہ مین اُردو کے مدارس جاری ہین - اور کوئی فن نہین جس کے متعلق کوئی نہ کوئی کتاب اُردو مین نہ شایع ہو گئی ہو -

تعلیم یافتہ جماعت یہی کہہ رہی ہے کہ اُردو کی کچھ ہستی نہین - نہ اُس کی نظم مین کوئی مزہ ہے نہ اُس کی نثر ہی مین کوئی خوبی ہے -

الحاصل اُردو پہلے بھی مظلوم تھی اور اب بھی ہے - اور اُس پر ظلم کرنے والے خود وہ لوگ ہین جو اُردو کے اہل زبان ہونے کے مدعی ہین -

ہر کس از دست غیر نالہ کند سعدی از دست خویشتن فریاد

لیکن اس کا سبب کیا ہے کہ اُردو پبلک کو دنیا بھر کی زبانون مین مزہ آتا ہے اور نہین آتا تو خود اپنی زبان مین - اس راز کا پتہ لگانے کے لیے ہم نے اکثر تعلیم یافتہ دوستون سے سوالات کیے ہین معلوم کرنا چاہا کہ آخر وہ کون سی خوبی ہے جسے یہ لوگ اُردو مین ڈھونڈھتے ہین اور نہین پاتے - ہمین اپنے سوالون کے جواب مین جو کچھ معلوم ہو سکا وہ اسی قدر ہے کہ بعض حضرات کو تو انگریزی سے اُردو ترجمہ کرتے وقت ویسے جامع اور صحیح مفہوم ادا کرنے والے الفاظ نہین ملے جیسے کہ انگریزی مین تھے بعض حضرات انگریزی کے سے اشعار اُردو مین ڈھونڈھتے ہین - اور وہ اُردو مین معدوم ہین - اور جن چند انگریزی نظمون کے ترجمہ اُردو مین کر دیے گئے ہین - اُن مین وہ انگریزی کی سی بات نہین - غالباً اسی قسم کے نقصانات عربی مذاق رکھنے والے سلف صالح کو ہون گے کہ عربی سے اُردو مین ترجمہ کیجیے تو ویسے جامع و حاوی الفاظ نہین ملتے - اور اُردو شاعری مین عربی شعر و سخن کی خوبیان نہین ہین -

لیکن اگر یہی اعتراضات ہین - اور اس قسم کی رائین قائم کرنے کی بنیاد اسی قدر ہے تو میرے خیال مین اُردو زبان نہ اتنی تنگ اور محدود نہین - مگر خود اُن کے خیالات مین تنگی اور کج فہمی ہے - اور اس کا الزام بجاے اس کے کہ زبان اُردو کو دیا جاے خود اُن کی لیاقت و قابلیت پر عائد ہوتا ہے -

دنیا کی ہر زبان کا قاعدہ ہے کہ اُس مین گرد و پیش کی چیزون - بولنے والون کی صحبتون - اور اُن کے عادات - اطوار - اور معاملات کے لحاظ سے اس قسم کے خاص الفاظ ہوا کرتے ہین جو تمام پہلوؤن اور جملہ مفہومات متعلقہ کے اعتبار سے بے مثل و نظیر ہوتے ہین اور اُن کے مماثل الفاظ جو تمام جہتون اور کل حیثیتون سے اُن کے مماثل ہون دنیا کی کسی دوسری زبان مین نہین مل سکتے - ایسے ہی الفاظ ہین جن کی مناسبتون

اور خوش ترکیبون سے اُس زبان کا لٹریچر بنتا ہے - اُنھین کے ضمنی اشارون - اور اُنھین کے لوازم و تعلقات سے شاعرانہ خوبیان پیدا ہوتی ہین اور فصاحت و بلاغت کا جوہر چمکتا ہے -

یونانی - لاطینی - سنسکرت - عربی - فارسی - فرانسیسی - یا انگریزی کی تخصیص نہین - ہر معمولی سے معمولی زبان مین بھی اِس قسم کے الفاظ کثرت سے موجود ہوتے ہین - جن کے تناسب سے کبھی رعایت لفظی کی خوبیان پیدا ہوجاتی ہین - اور کبھی رعایت معنوی کی - اور یہی وجہ ہے کہ کسی زبان کے اعلیٰ درجے کے اشعار اور عمدہ نثرون کا ترجمہ کسی دوسری زبان مین (چاہے وہ کوئی ہو) نہین ہوسکتا -

موجودہ مذاق کے جو تعلیم یافتہ حضرات اُردو کی بے مائگی کے اِس لیے قائل ہوگئے ہون کہ اُنھین کسی انگریزی فصیح و بلیغ کتاب کا ترجمہ کرنے مین دشواریان پیش آئین - (گو ہمین اُن کی اِس مصیبت سے پوری ہمدردی ہے - اور افسوس کہ اُن کی اِس مشکل کو ہم دور بھی نہین کرسکتے مگر اُن کی غلط خیالی اِس طرح اصلاح ضرور کرسکتے ہین کہ) اگر اُن مین قابلیت ہو تو کسی بامحاورہ اور فصیح اردو عبارت کا ترجمہ انگریزی مین بھی کرکے دیکھین - اور انصاف سے بتائین کہ اُردو زبان مین ترجمہ کرنا مشکل ہے یا انگریزی زبان مین جتنی دشواریان اُردو ترجمہ کرتے وقت پیش آیا کرتی ہین اُن سے زیادہ یا کم [illegible] انگریزی ترجمہ کرنے مین بھی پیش آتی ہین کہ نہین ؟ یہ امر سب کو گران گزرا ہے کہ دو شکسپیر کے کسی ڈراما کا ویسا ہی بامزہ ترجمہ اُردو مین باوجود متواتر کوششون کے نہ ہوسکا - مگر اُس کی طرف کسی کا خیال نہین گیا کہ - مثنوی میرحسن - اور مثنوی گلزار نسیم کے دو چار شعرون یا فسانۂ عجائب کی چند سطرون کا انگریزی ترجمہ کرنے کی کبھی کسی کو جراءت بھی ہوسکی یا نہین ؟ مگر افسوس تعلیم یافتگی کا موجودہ مذاق ایسا ہے کہ کیا عجب جو یہ بھی کوئی اُردو ہی کا عیب نہ تصور کرلیا جائے - اور صاف الفاظ مین کہہ دیا جائے کہ اُردو ایسی بیہودہ اور ناقص زبان ہے کہ اُس مین انگریزی لٹریچر کی خوبیان نہ پیدا ہوسکنے کے علاوہ یہ بھی عیب ہے کہ اُسکی بیہودگیان انگریزی الفاظ مین کسی طرح نہین ادا ہوسکتین -

الغرض یہ جتنے اعتراضات ہورہے ہین - اور اُردو کے جتنے عیوب بتائے جارہے ہین خود معترضون کے نقصانات اور اُن کی خام خیالیان ہین - اور موجہ طور

پر اُردو کا کوئی سچا عیب نہین بتایا جا سکتا - مگر ہمین ابھی یہ معمہ حل کرنا باقی ہے کہ اگلے دنون خود اُردو کے اہل زبان عربی دانون کے خیال مین اُردو اِس قدر حقیر کیون تھی ؟ یا آج کل ہمارے اہل زبان انگریزی دانون کے نزدیک وہ اِس قدر بے مایہ اور ناقص کیون ہے ؟

اصل یہ ہے کہ لٹرری ذوق بھی منجملہ اُن مذاقون کے ہے جن کو انسان کوشش کر کے اپنی طبیعت مین پیدا کیا کرتا ہے - جیسے کہ حقہ اور تمباکو کا ذوق ہے کہ فطرۃً انسان اُس پسند نہین کرتا - مگر چند روز تک اپنے آپ کو اُس کا عادی بنا لینے کے بعد پھر اُسے معلوم ہونے لگتا ہے کہ اِن چیزون مین کیا ذوق ہے - صرف اِس تمباکو پر موقوف نہین غور کیا جائے تو انسان کے تمام ذوق اُس کے مکسوبہ ہوا کرتے ہین - اور اِسی کسب نے مختلف ممالک مین اختلاف مذاق پیدا کرتا ہے - ہر قوم اور ہر ملک کی لذیذ غذائین - دماغ معطر کرنے والی خوشبوئین - نظر فریب خوبصورتیان - سامعہ نواز آوازین - اور اِسی کے ساتھ وضع قطع لباس اور سامان معاشرت کی سب چیزین بدلی ہوتی ہین - جو غذا مغرب مین لذیذ ہے - مشرق مین بدمزہ - جو عطر مشرق مین دماغ کو تازہ کر دیتا ہے اُسی کی خوشبو پر مغرب مین ناکین بند کر لی جاتی ہین - حتی کہ ایک ملک کی معشوقۂ دلربا دوسرے ملک کی بدشکل اور بد قطع عورت ہے جسکے سایے سے بھی لوگ بھاگتے ہین - اِسی طرح ہر قوم اور ہر زبان کا لٹریچر بھی ایک نیا ذوق رکھتا ہے - اور وہ ذوق صرف حاصل کرنے اور پرورش کرنے سے پیدا ہوتا ہے -

اور اِسی ذوق کے پیدا کرنے کے لیے ہر ملک مین پہلے خود وہان کی مادری زبان کی تعلیم دیجاتی ہے - اور طلبہ جب اُس مین پختگی حاصل کر لیتے ہین تو اُن اعلی درجہ کی زبانون کی طرف متوجہ کیے جاتے ہین جو کلاسیکل سمجھی جاتی ہین اور علمی اور تاریخی عظمت رکھتی ہین - بہ خلاف اِس کے ہندوستان کو بدنصیبی سے شاید ہی کبھی وہ زمانہ نصیب ہوا ہو جبکہ ابناے وطن کو وہ زبان سکھائی جاتی ہو جو وہان بولی جاتی تھی -

شاید کبھی ہندوستان مین ایسا ہو کہ سنسکرت بولی بھی جاتی ہو اور پڑھائی بھی جاتی ہو - مگر خود ہندوؤن کو اِس سے انکار ہے - اِس لیے کہ اُن کے خیال مین سنسکرت دیوتاؤن کی زبان ہے - اور کبھی انسان کی مادری زبان نہ تھی - جن انگریزی

مورخین نے اُسے آریہ فاتحین کی زبان ثابت کیا ہے اگر اُن کی تحقیق مان لی جائے تو تاریخی
عہد سے پیشتر اُس قدیم تبرک زمانے مین بھی سنسکرت صرف فتح یابون اور حاکمون کی زبان ہوگی۔
ہندوستان کے لوگون کی کوئی اور زبان ہوگی جس سے نتیجہ نکل سکتا ہے کہ اُس عہد مین
بھی تعلیم سنسکرت کی ہوئی تھی۔ جو ملکی زبان نہ تھی اور جب وقت مسلمانون نے
ہندوستان کو فتح کیا ہے اُس وقت تو اس مین شک ہی نہین کہ مادری زبان اور تھی
اور تعلیمی زبان اور۔ کیونکہ سارا لٹریچر سنسکرت یا ماگدھی زبانون مین تھا جو ملکی زبانین نہ تھین
مسلمانون کا عہد شروع ہونے کے بعد پہلے سے زیادہ خرابیان پیدا ہوئین یعنی
ہندؤن کی تعلیمی زبان تو سنسکرت رہی۔ اور مسلمانون کی تعلیمی زبان بلحاظ مذہب
عربی اور بلحاظ حکومت فارسی ہوگئی۔ مگر وہ زبان جو ملک مین بولی جاتی تھی اُسے
تعلیم گاہون مین ہرگز جگہ نہ مل سکی۔ یہان تک کہ بازاری میل جول اور ہندو مسلمانون
کے امتزاج نے اُردو زبان پیدا کی۔ لیکن تعلیم آخر تک فارسی و عربی ہی مین ہوتی رہی
یہی کیفیت تھی کہ انگریزی عہد شروع ہوا اور فارسی کی جگہ انگریزی کی تعلیم ہونے لگی۔
اب یہ ہوا کہ مذہبی اور قومی ضرورتون کے لیے مسلمانون نے فارسی اور عربی کو اور
ہندؤن نے ہندی و سنسکرت کو اختیار کیا۔ اور حکومت کی زبان انگریزی ہوگئی۔
اُردو جو ملک کی مادری زبان ہے اُس کی طرف سے اب بھی بے پروائی رہی۔

اس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ برٹش گورنمنٹ نے اُردو زبان کو ممالک متحدہ
وغیرہ کی مادری زبان تصور کر کے ہندوستان کے قدیم رواج کے خلاف سرکاری
اور دفتری زبان بنا دیا جس کی وجہ سے عام طور پر خط و کتابت اُردو مین ہونے لگی۔
اخبارات بھی اُردو مین جاری ہوے اور تصنیف و تالیف کے لیے بھی اُردو ہی اختیار
کی جانے لگی۔ سرکار نے اُس کا یہ فروغ دیکھ کے دیہات اور قصبات مین اُردو کی تعلیم بھی جاری
کر دی۔ مگر اول تو وہ تعلیم اسقدر ناقص اور ناتمام درجہ تک تھی کہ اُس سے طلبہ مین
کوئی لٹریری ذوق نہین پیدا ہو سکتا تھا۔ دوسری طرف ہندو مسلمانون مین ایسا اختلاف
ہوا کہ ہندؤن نے ہندی کو اپنی مادری زبان بتایا جو اگرچہ نہ بھی تھی تو چند روز کی
کوششون سے اُن کی مادری زبان بن گئی۔ اور اُردو صرف مسلمانون کی زبان سمجھی جانے
لگی۔ ان دونون باتون کا یہ نتیجہ ہے کہ اُردو کی تعلیم کی طرف جو عام رجحان تھا اُسے

نقصان پہونچنے لگا۔ بہرحال اُردو کی جیسی تعلیم ہونی چاہیے نہین ہوتی۔ اور اردوخوانون مین کسی قسم کا ذوق انشا پردازی پیدا ہونے نہین پاتا۔

علاوہ برین محض اُردوخوان ایک طرف انگریزی دانون کے مقابل مین اور دوسری طرف عربی فارسی جاننے والون کے مقابل اس قدر کم حیثیت تصور کیے جاتے ہین کہ گویا اُن کی برائی ہی ہے۔ اُن کے خیالون اور اُن کے مذاق کی ذرا بھی وقعت نہین ہوتی۔ جاہلون سے وہ کچھ یون ہی سے ممتاز خیال کیے جاتے ہین۔ اور ہر امر مین صاحب راے اور صاحب اثر انگریزی دان ہی تسلیم کیے جاتے ہین جنھون نے ابتدا سے انتہا تک انگریزی یا عربی و فارسی لٹریچر کی باضابطہ طریقے سے تعلیم پائی ہے۔ اور جنھون نے اپنے دل و دماغ مین انگریزی یا عربی کے مذاق سخن کو پرورش کر کے خوب راسخ کر لیا ہے یہ لوگ ابتدا ہی سے انگریزی اور عربی کی نحو و صرف اور فصاحت و بلاغت کو محنت اور توجہ سے حاصل کرتے ہین۔ اور جتنے علوم پڑھتے ہین۔ اُن سب کو اُنھین زبانون مین سیکھتے اور درجہ کمال حاصل کرتے ہین۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ سب یا انگریزی لٹریچر کے دلدادہ ہو جاتے ہین یا عربی لٹریچر کے۔ اپنی مادری زبان سے رشد و بلوغ کے زمانے مین کوئی اُنس نہین پیدا ہونے پاتا۔ اگر کبھی تفنن طبع کے لیے مادری زبان کی طرف توجہ بھی کرتے ہین تو چاہتے ہین کہ اُس مین بھی اُن کو وہی لطف آئے جو انگریزی یا عربی و فارسی مین آتا تھا مگر وہ لطف نہین حاصل ہو سکتا۔ کیونکہ اُن کو جو لیاقت و قابلیت پیدا ہوئی ہے یا جس زبان مین اُنھون نے لیاقت و شایستگی کو دیکھا وہ عربی ہے یا انگریزی۔ لہذا خواہ مخواہ اپنی مادری زبان یعنی اُردو ہی کو الزام دینے لگتے ہین کہ بہت ناقص زبان ہے۔ اور اس مین کسی قسم کے علمی مضامین نہین ادا ہو سکتے۔

خلاصہ یہ کہ اُردو زبان کو جو صحیح ترقی نہین ہوتی۔ اور خود اپنے اہل زبان کا ملین مین اُسے مقبولیت نہین حاصل ہوئی اس کا اصلی سبب یہی ہے کہ ابناے وطن بجاے مادری زبان کے کسی اور زبان کے لٹریچر کو خوب پرورش کر کے اپنا اصلی مذاق بنا لیا کرتے ہین۔ یورپ مین تم جو دیکھتے ہو کہ ہر ملک اور ہر قوم کا لٹریچر روز افزون ترقی کرتا جاتا ہے اور انگریزی۔ فرانسیسی۔ جرمنی۔ اور ایطالی زبانون کا لٹریچر بڑھتے بڑھتے ساری دنیا پر چھایا جاتا ہے۔ اور دنیا کی دوسری قومین اُن کی خوبیون کے مقابل

خود اپنی زبانون کو بھولی جاتی ہین - اِس کا اصلی باعث یہی ہے کہ اُن ممالک کے باشندے پہلے خود اپنی زبان کے لٹریچر مین کمال حاصل کر لینے کے بعد دوسری زبانون کی طرف توجہ کرتے ہین - وہان بڑے بڑے لنگوسٹ (ماہرین السنہ) اور نیلسٹ (مستشرقین) اور فائلا لوجسٹ - (علم السنہ جاننے والے) پیدا ہوتے ہین - جو تحقیق کے ساتھ دنیا کی تمام زبانون پر اجتہادی نظر ڈالتے ہین - مگر یہ سب کمالات اُسوقت پیدا کرتے ہین جب اپنی زبان مین باکمال بن لیتے ہین اور اپنی زبان کے نحو وصرف اور علم ادب کا ذوق اُن کے دل و دماغ پر پوری طرح حاوی ہو چکتا ہے -

اِس کا علاج یہ تھا کہ سررشتہ تعلیم کے اُردو مدارس کی اصلاح کی جاتی - مگر افسوس کہ یہ غیر ممکن ہے - اُردو مدارس کی حالت سُدھارنے مین نہ آج تک کامیابی ہوئی - اور نہ کامیابی کی اُمید ہے - اِس لیے کہ سررشتہ تعلیم ترقی تعلیم کا ذریعہ ہونے کے عوض اپنے خود غرض عہدہ دارون کے ہاتھون ایک اعلیٰ درجہ کی تجارت گاہ بنگیا ہے اور اُنھین لوگون کی کتابین داخل درس کی جاتی ہین جو اپنے نفع مین عہدہ دارون کو شریک کرین - دکھانے کے لیے ایک بورڈ ہے - مگر بورڈ کے نفس ناطقہ ڈائرکٹر صاحب ہین جن کے اشارون پر بورڈ چلتا ہے اور ڈائرکٹر صاحب کی راے دراصل اُن کے کسی معتمد علیہ ماتحت عہدہ دار سررشتۂ تعلیم کی راے ہوتی ہے -

گو ہندو خود کہہ رہے ہین کہ اُردو ہماری زبان نہین - وہ مسلمانون کی زبان ہے - مگر باوجود اِس کے اکثر یہی نظر آیا کرتا ہے کہ سررشتہ تعلیم کی اُردو کتابون کے مصنف و مولف ہندو ہی ہوتے ہین - یا کبھی مسلمان بھی ہوئے تو وہ جو سوا اِس کے کہ سررشتۂ تعلیم مین کسی خدمت پر ممتاز ہین ملک مین اُنھین کوئی لٹریری وقعت نہین حاصل ہوتی - اِسی خرابی کی وجہ سے اُردو نصاب تعلیم سے بدتر شاید کسی زبان کا نصاب نہ ہوگا - نحو وصرف - اور معانی بیان کے مفید رسالون کا تصنیف ہونا درکنار سچ یہ ہے کہ آج تک اُردو کی الف بے بھی صحیح اصول پر مرتب نہ ہو سکی -

ایسی صورت مین اُردو کے درست ہونے کی کیا امید ہو سکتی ہے - اور کس طرح سے ملک مین ملکی زبان کا سچا مذاق پیدا ہو سکتا ہے - بہرحال اُردو

ایک فلاکت زدہ قوم کی مصیبت زدہ زبان ہے - اور جس حال مین اپنی قوم کو پاتی ہے - اُسی کے مناسب طریقہ سے نباہ رہی ہے -

حالات و واقعات

مسلم لیگ کا جلسہ نہایت کامیاب رہا - سر آغاخان کی اسپیچ پُر مغز ہے - اس جلسہ کے بعد سے معلوم ہوتا ہے کہ لیگ کو ایک گونہ استقلال حاصل ہوگیا - تاہم ابھی لیگ کو باضابطگی کی تعلیم پانے کی ضرورت ہے - گو یہ سب کام سچے اور صحیح ہین - مگر خدا کرے کہ گورنمنٹ کے خوش کرنے کے عوض قوم کی فلاح و رفاہ کے لیے کیے جاتے ہون -

آل انڈیا مسلم لیگ کا مستقر امتحاناً دو سال کے لیے لکھنؤ قرار پایا - اور اُس کے سکرٹری مولوی محمد عزیز مرزا صاحب سابق معتمد عدالت و کوتوالی دولت آصفیہ نظام منتخب ہوے ہین - جن کا یہان آجانا ہمارے لیے ایسی نعمت غیر مترقبہ ہے کہ لوگ ہمین مبارکباد دین -

محمد امام علی خان صاحب اسسٹنٹ منیجر کورٹ آف وارڈس ضلع پیلی بھیت نے فلسفہ اسلام نام کی ایک ضخیم اور مدلل کتاب اصول اسلام کے اثبات مین تصنیف فرمائی ہے جس کی حضرات مجتہدین شیعہ اور مولوی محمد عبد الباری صاحب بہت تعریف فرماتے ہین - اُس کی شایع شدہ فہرست بتاتی ہے کہ مسلمانون کے لیے عموماً - اور شیعون کے لیے خصوصاً یہ کتاب نہایت مفید ہوگی قیمت ۲ عہ ہے اور ۵۰۰ درخواستین آنے پر طبع کی جائے گی -

کرپال سنگھ صاحب - بی - اے مقیم امرتسر مائی تھان" نے "اخلاقی سبق" کے نام سے ایک اخلاقی سلسلۂ تعلیم اُردو شایع کیا ہے - جس کا چوتھا حصہ ہمارے سامنے ہے - گو بغیر دیگر حصص کے دیکھے صحیح رائے نہین قائم کی جاسکتی - زیادہ تر پند و مذاق کی باتین ہین مگر نہایت مفید قیمت حصہ چہارم ۳ ر

مولانا ابو الوفا ثناء اللہ امرتسری کی کتاب "اتباع سلف" جو مطبع اہل حدیث امرتسر سے شایع ہوئی ہے - نہایت اعلیٰ درجہ کی کتاب ہے - اس سے تقلید و عدم تقلید کے رموز بڑی وضاحت سے کھلتے اور ذہن نشین ہوتے ہین - اور معلوم ہوسکتا ہے کہ اتباع سنت پر سلف صالح کس حد تک - اور کیسی استقامت سے کاربند تھے - قیمت ۱۲ ر

مولوی سید نواب علی صاحب رضوی ایم - اے - ایس - سی - پروفیسر بروڈہ کالج کی کتاب "تذکرۃ المصطفیٰ" قیمت عہ اُن اعلیٰ درجہ کی تصانیف مین سے ہے جن کا عہد جدید کو فخر کرنا چاہیے - ہم کبھی آیندہ اُس پر مفصل ریویو کرین گے -

خان بہادر حاجی شیخ قادر بخش صاحب رئیس فیض آباد نے اس بات کی یادگار مین کہ آنریبل مسٹر ہوز چیف سکرٹری لوکل گورنمنٹ اُن کی عیادت کے لیے اُن کے گھر پر تشریف لے آئے تھے علی گڑھ کالج کو دس دس روپیہ ماہوار کے دو وظیفہ عطا فرمائے - ہم خان بہادر کی عالی ظرفی کے معترف ہین - کاش اُنھون نے صحت کے لیے منت مانی ہوتی کہ اچھے ہونے پر کالج کو دو وظیفہ دین گے تاکہ اُن لوگون کے لیے ایک عمدہ نظیر قائم ہوتی جنھین اپنے گھر مین کسی یورپین کی رونق افروزی کی عزت نہین حاصل ہو سکتی -

امپیریل کونسل کے ممبرون کی فہرست شایع ہو گئی ہے - کل چونسٹھ ممبر ہین -

اخبار انگلش مین راوی ہے کہ ایک بڑا سخت مسودہ انضباط اخبارات لیجسلیٹو کونسل مین پیش ہونے والا ہے -

کلکتہ مین ۲۶ جنوری کو منشی شمس العالم ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کے قتل کا واقعہ نہایت عبرت خیز ہے -

ذرا غریبون کی بھی سنیے

ہمارے احباب ہم سے ہمدردی فرما رہے ہین - اور دلگداز جنکا ہے اور جن کے لیے ہے اُنھین واقعی اُس سے دلی اُنس و محبت ہے - چنانچہ بعض احباب نے اُسکی صورت دیکھتے ہی توجہ فرمائی اور بعض ابھی تک نہین چونکے - مگر ہم اُنھین چونکائین گے یون نہ چونکے تو گدگدائین گے - سالانہ قیمت اب صرف عہ ہے - کم از کم اتنا تو ہو کہ ہمارا ہر دردمند دلگداز کا ایک اور خریدار پیدا کر دے - بھلا عہ بھی کوئی چیز ہے فقط زبان ہلانے کی دیر ہے - آپ کہین اور آپ کے دوست نہ مانین (مین نہ مانونگا - ہان یہ کہیے کہ آپ خود ہی نہین کہتے - خدا کے لیے اب کی نہ بھول جائیے گا - کمی ناول کی شکایت ہو تو ایک عمدہ ناول چھپ رہا ہے - تین چار مہینہ مین وہ بھی پیش ہو جائیگا -

خاکسار - منیجر دلگداز

ذکرِ عیش بہ از عیش

شہبازِ عشق قیس عامری کی نسبت کہتے ہین کہ اُسے جو مزہ دشت نجد مین تن تنہا
بیٹھ کے لیلےٰ کے یاد کرنے اور لیلےٰ کی خیالی تصویر سے باتین کرنے مین آتا تھا کبھی خود لیلےٰ
کی صحبت مین نہ آیا۔ اور اسی طرح ہمین بھی جن پیاری صورتون سے اُنس ہے اُنکی یاد کے
ہر دم تازہ رکھنے مین جو لطف حاصل ہوتا ہے خود اُن سے ملنے مین نہین نصیب ہوتا ہے
حسینو۔ یہ کیا بات ہے کہ جو خوبیان تمھارے خیال اور تمھاری یاد مین ہین خود تم مین نہین
کیا اسلیے کہ تم بیوفا و جفا شعار ہو؟ یا اسلیے کہ تم ہمین ستایا کرتے ہو؟ نہین ایسا نہین ہے
یہی ہوتا تو پھر تمھاری اُن بے مہریون ہی کے خیال مین ہمین کیون مزہ آتا؟ ہمنے تو ایسا جفا پسند
دل پایا ہے کہ تمھاری کج ادائیون تمھاری بے رخیون۔ اور تمھاری سرد مہریون کو بھی مزہ لے
کے یاد کیا کرتے ہین۔ تمھارے جور سے بھاگتے ہوتے تو تمھارے جور کی یاد سے دل بہلنے کی کیا
وجہ ہوسکتی تھی؟ اصل یہ ہے کہ لطف ہو یا جور۔ نظر عنایت ہو یا کج ادائی غرض جس چیز سے
دل کو کسی قسم کا اُنس ہو اُسکے تذکرے اور اُسکی یاد مین جو لطف ہے خود اُس مین نہین اور جس نے
کہا ہے کہ "ذکر عیش بہ از عیش" سچ کہا ہے۔ اور خوب کہا ہے۔

سنو! جو مزہ ہمنے اکثر تمھارے خیال سے اور تمھاری باتین اور صحبتین یاد کرکے اُٹھا لیا ہے۔
وہ ہم نے اور تمھاری صحبت سے نہین اُٹھا سکے۔ غربت و سفر۔ اور مصیبت و تکلیف کی حالت مین جب
کبھی تم یاد آ گئے ہو کیا بتائین کہ دل کو کیسی تسلی اور تمھاری محبت بھری باتون کے خیال سے
کیسی تسکین ہوگئی ہے۔ تمھاری اُس یاد ہی نے ہمارے دل مین کیسی کشش پیدا کی کہ اولوالعزمی کی
صدہا آرزوئین اور بلند حوصلگی کی ہزار ہا امیدون کو خدا حافظ کہکے بس یہ ایک تمھارا شوق دل مین لیے ہوے
وطن آئے مگر [illegible] کی باتین یہان پہونچ کے تم مین وہ بات نہین پائی جو تمھاری یاد مین تھی –

لیکن اسکا سبب کیا ہے کہ کسی چیز یا کسی شخص کی یاد مین جو لذت ہے خود اُس مین نہین نکلتا۔ یہ بات بالکل عقل و قیاس اور فطرت و عادت کے خلاف معلوم ہوتی ہے کیونکہ عقل کا یہی فیصلہ ہونا چاہیے کہ جس چیز کے خیال و تصور مین لطف ہے خود اُس مین کہاں تک لطف نہوگا۔ بلکہ یہ لازمی ہے کہ ذکر و تصور سے بدرجہا زیادہ لطف خود اسکے حصول مین ہو۔ مگر نہین۔ یہ قیاس کی غلطی ہے اور اُسی قسم کی غلطی جسکی آج کل کے استقرائی فلسفہ کے مقابلہ مین اگلے قیاسی فلسفہ سے ہوجایا کرتی تھین۔ استقرا کا مدار اعتبار تجربہ ہے اور تجربہ کے سامنے قیاس کوئی چیز نہین۔ جب ہم روز تجربہ کرتے رہتے ہین کہ عیش کا تصور خود عیش سے زیادہ بامزہ ہوتا ہے تو پھر کیونکر ممکن ہے کہ کوئی قیاسی مغالطہ ہمین دھوکا دے سکے۔

سچ یہ ہے کہ وہی اسباب و علل زیادہ صحیح اور سچے ہوتے ہین جو تجربہ کے بعد اُنکی مناسبت مین قایم کیے جائین۔ اور اُسی نتیجہ کو ثابت کرین جو تجربہ کے ذریعہ سے نظر آچکا ہے۔ چنانچہ اس اصول کے مطابق اب ہم بتاتے بلکہ ثابت کیے دیتے ہین کہ سامان مسرت سے ذکر مسرت مین کیون زیادہ لطف ہے۔

تاریخ اور واقعات عالم بتا رہے ہین کہ عیش مین اکثر خلل پڑجاتا ہے۔ اور بسا اوقات ایسے ناگہانی ترددات پیش آجایا کرتے ہین کہ مزہ کرکرا اور نشہ ہرن ہوجاتا ہے۔ ایک شان و شوکت اور حشم و سطوت و جبروت خلیفہ کے واقعات مین مذکور ہے کہ ہفتہ یا اس سے زیادہ زمانہ تک معشوق اور عیش و عشرت مین بسر کی اور نشاط عیش مین اسقدر از خود رفتہ ہوا کہ کہہ بیٹھا لوگ کہتے ہین کوئی صحبت عیش خمار و غم سے خالی نہین مگر میرا یہ جشن طرب بغیر اسکے کہ گرد و تردد کے رنگ سے ذرا بھی مغشوش ہو پورے لطف کے ساتھ ختم ہوا چاہتا ہے۔ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ اُس کی وہی محبوب ترین معشوقہ جو اس جشن طرب مین اُسکی انیس و ہمدم رہی تھی اُسکے دل مین ایک درد اٹھا اور دم بھر مین تڑپ کے مرگئی۔ اور وہ سب عیش و طرب خاک مین مل گیا۔ صحبت عیش بزم ماتم بن گئی۔ اور صدائے سرود کی جگہ شور ماتم بپا ہوگیا۔ خلیفہ نے کئی دن تک اُسکی لاش دفن نہونے دی۔ یہان تک کہ خود بھی اُسی صدمۂ جانکاہ مین جان دی۔ اور دونون ساتھ دفن ہوئے۔

اس ایک واقعہ ہی پر موقوف نہین۔ بڑے بڑے جشنون مین اکثر یہی نظر آتا رہا ہے کہ کوئی نہ کوئی ایسی بات اٹھ کھڑی ہوئی جس نے سارا لطف خاک مین ملا دیا۔ دنیا مین ایسے صدہا واقعات گزر چکے ہین جو بتا رہے ہین کہ عیش کی صحبتین شاذ و نادر عیش و عشرت پر ختم ہوتی ہین۔ مگر ذکر عیش مین ایسے کسی خلل اور صدمہ کا اندیشہ نہین۔ یاد اور تصور کا وہ دلچسپ عالم ہے کہ اس مین آکے دنیا کے آلام و افکار اور مصائب و ترددات بھی پُر لطف بن جاتے ہین۔ یہان ٹریجڈی بھی مزہ دیتی ہے

اور ایک اتفاق غم میں بھی اُتنا ہی مزہ آتا ہے جتنا کہ کسی عیش و عشرت کی کہانی میں آتا ہے۔

ہر عیش کے لیے ایک خمار لازمی ہے جو عیش بے مشقت و زحمت ہو اُسکے بعد ہمیشہ طبیعت اکتا کے مکدر ہو جاتی ہے۔ اور مسرت و انبساط نے جتنے زمانے تک اور جس حد تک مزاج کو جوش طرب میں مصروف رکھا ہو اُس سے زیادہ زمانے تک اور اُس سے بڑھ کے خمار عیش طبیعت کو پست اور بے مزہ رکھتا ہے۔ خمار کچھ شراب ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہر عیش اور ہر راحت کے بعد ایک خمار ہے۔ مگر اس ناگوار اور اذیت رساں خمیازۂ عیش سے اگر خالی ہے تو ذکر عیش جس سے جتنی دیر تک چاہیے لطف اٹھائیے نہ طبیعت بدمزہ ہوگی نہ افسردگی و پژمردگی سے سابقہ پڑے گا۔ یہی خمار صحبت عیش ہے جسکی بدولت انسان اکثر دور طرب سے اکتا جاتا ہے مگر ذکر عیش میں یہ بات نہیں آپ چاہیں کتنے ہی زمانہ تک عیش و عشرت کے خیال میں محو رہیں دل نہیں گھبرائے گا اور طبیعت کا بار بار تقاضا ہے گا کہ ع۔

بیٹھے رہیں تصور جاناں کیے ہوئے

جن صحبتوں میں عیش پرستی حد سے گزری ہوئی تھی اور نہایت ہی بے فکری سے رنگ رلیاں منائی جا رہی تھیں اُنکا خاتمہ تم نے بارہا دیکھا ہوگا کہ کیسی بدمزگی و تنغص پر ہوا جو دولتمند گھرانے دنیا کے مشہور اُٹھا کے بگڑ گئے۔ اور جو بڑی چہل پہل والے شہر ہر قسم کی دلچسپیوں کے کرشمے دکھا کے اُجڑ گئے جو بڑی بڑی معزز و ممتاز قومیں اپنی عظمت و جلال کا تماشا دکھا کے پامال ہو گئیں اور جو عالیشان اور زبردست سلطنتیں شان و شوکت کے جلوے پیش نظر کر کے تباہ ہو گئیں۔ اُن سے قطع نظر کر کے جس صحبت شبینہ میں رات ہی کو صبح ہو رہی تھی۔ اور دنیا کی تمام فکروں کو لات مار کے بادۂ عیش کے جام لنڈھائے جا رہے تھے اُسی کا انجام صبح کو جا کے دیکھو جب کہ رات بھر کی روئی ہوئی شمع کے آنسو خشک ہو گئے ہوں۔ رات بھر کے جاگے ہوئے تاروں کی آنکھیں خمار آلود ہو رہی ہوں اور سیہ مست حریفان صحبت ایسے غافل پڑے ہوں کہ کسی کو سر و پا کی خبر نہ ہو۔ تو صاف نظر آ جائے گا کہ عیش و عشرت کا انجام کیا ہوتا ہے اور کیا ہوتا رہا ہے۔

یہی حالات دیکھ کے ہم اس صحیح نتیجہ کو بھی پہنچ سکتے ہیں کہ عیش ایک غیر مستقل اور فانی چیز ہے۔ اور ذکر عیش نہایت ہی پائدار ہے۔ اور کیوں نہ ہو عیش کے سامان تمھارے اختیار میں نہیں۔ تم اُن سے اُسی وقت تک لطف اُٹھا سکتے ہو جب تک وہ تمھارے بس میں ہیں۔ اور بدنصیبی سے اکثر یہی ہوتا رہا ہے کہ وہ جلدی چھین لیے جاتے ہیں۔ مگر ذکر عیش ایسی لذت پائدار اور لازوال ہے۔

جسے کوئی نہیں چھین سکتا۔

بہت سے محققین فلسفہ نے غالباً خیال اور یاد کے اس استقلال ہی کو دیکھ کے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ مذاہب نے مابعد الموت کے عالم میں جس جنت و دوزخ کا وعدہ کیا ہے وہ دراصل اس عالم دنیوی کے اچھے کاموں کی شہرت اور بُرے کاموں کی ندامت سے عبارت ہے یعنی عیش نہیں۔ بلکہ ذکر عیش ہے۔ اگرچہ ہم اس ملحدانہ رائے کے ماننے کو ابھی تیار نہیں ہیں لیکن اگر یہ صحیح مان لیا جائے تو صاف طور سے اس بات کا راز کھل جاتا ہے کہ ذکر عیش کیوں ابدی ہے۔ اور خود عیش کے لیے فانی و ناپایدار۔

فلسفیوں کا یہ دعویٰ صحیح ہو یا نہ ہو لیکن اس میں شک نہیں کہ اہل اللہ اور صوفیہ نے جو ذکر اور تصور کو اپنی اعلےٰ ترقیوں اور خدا رسی کا ذریعہ قرار دیا ہے محض اسی وجہ سے کہ ذکر باقی ہے اور جس مسرت کا ذکر کیا جائے وہ فانی۔

امیر عبدالقادر مغربی

جیسی شجاعت جیسی وفاداری جیسے استقلال اور جیسی پابندی عہد کی امید ایک شریف اور مسلمان عرب سے کی جا سکتی ہے۔ اُسکا سب سے آخری اور نہایت مکمل نمونہ امیر عبدالقادر مغربی تھا جس نے اس انیسویں صدی عیسوی میں حمایت دین۔ اور حمایت قوم کے جوش کو سلطنت فرانس کے مقابل میں ایسی شایستگی سے دکھا دیا کہ اُس کے نام کو بقائے دوام حاصل ہو گیا اور اُس کے کارنامے رہتی دنیا تک اہل عالم کو یاد رہیں گے۔

بحیرۂ روم کے جنوبی سواحل ممالک الجیریا و مغرب میں شرفائے عرب کا ایک معزز قبیلہ ہے جو مُرابطین کے نام سے مشہور رہیں۔ یہ مرابطین اپنے آپ کو ہاشمی النسل بتاتے ہیں اور ارض مغرب میں ایک مدت مدید سے صاحب اثر اور اکثر اوقات برسرحکومت نظر آتے رہے ہیں۔ انھیں مُرابطین کا ایک معزز خاندان صوبۂ اوران کے شہر معسکرہ کے قریب آباد تھا جس کو یہ فخر حاصل ہے کہ اسی میں ۱۸۰۸ء میں امیر عبدالقادر موصوف پیدا ہوا۔

اس کی زندگی کا ابتدائی ورق لاعلمی کے خزدان مین بند ہے - لیکن اس مین شک نہین کہ اس لاعلمی ہی کے آغوش مین چھپا ہوا وہ علم حاصل کر رہا تھا - اور جب ۱۸۲۰ء مین پہلے پہل اسکے نام کو ہموطنون مین شہرت حاصل ہوئی ہے تو اسوقت اُسکی عمر تو اکیس ہی سال کی تھی مگر علم و فضل مین بڑے بڑے معمر اساتذہ سے گوی سبقت لے گیا تھا - کیونکہ وہ ایک بڑا جید عالم - اور واجب التعظیم فاضل بن کے دنیا کی نظرگاہ عام مین آیا - اور اسکے ساتھ سب سے زیادہ مکرم و محترم ثابت کرنے والی یہ خبر تھی کہ علم باعمل تھا - وہ جتنا بڑا متبحر عالم تھا - اُتنا ہی بڑا عابد و زاہد بھی تھا - اور ہموطنون مین فاضل گران مایہ ہونے کے ساتھ اعلے درجہ کا متقی و پرہیزگار بھی تسلیم کیا جاتا تھا - پھر اسی زمانے مین جب اُس نے مسلسل دو بار ارض حجاز کا سفر کر کے دوہرے حجون کی فضیلت بھی حاصل کر لی تو لوگون مین اُسکا اثر اور بڑھ گیا - اور اب وہ ایک عالم اور مقتداے دین ہی نہین - بلکہ ایک پاک باطن صوفی اور صاحب تصرف ولی اللہ بھی مانا جاتا تھا - لوگ اُس سے تعلیم ہی نہین پاتے تھے - بلکہ اُسکے مرید بھی ہوتے تھے -

ان دنون فرانسیسیون نے شمالی افریقہ کے مسلمان قبائل کو کمزور پا کے دبانا اور اُنکے شہرون اور صوبون کو مغلوب کر کے اپنے قبضہ مین لانا شروع کر دیا تھا - ان مسلمان ملکون مین کوئی بڑی زبردست سلطنت نہ تھی جو دولت فرانس کا مقابلہ کرتی - متفرق قبائل اور ہر ہر شہر کے باشندے جدا جدا اپنی آزادی کے لیے لڑتے تھے مگر بار بار ناکام ہوتے اور پچھڑ پچھڑا کے رہ جاتے تھے - فرانسیسیون کی باضابطہ فوجون اور زبردست توپون کے سامنے نہ بہادری کام آتی اور نہ کسی اور طرح زور چلتا -

اپنے ملک کی یہ حالت - اور یہ قومی تباہی دیکھ کے عبد القادر کو جوش آیا - اور ملک و ملت کی حمایت مین جان کھپانے کے لیے وہ اُٹھ کھڑا ہوا - اپنے باپ کو بھی اُبھار کے اپنے ساتھ لیا اور بے تکلف جہاد کا نعرہ بلند کر دیا - اور اس کے درپے ہوا کہ اہل وطن جان پر کھیل کے فرانسیسیون کو اپنے وطن سے نکال دین - ملک نے بھی اُسکی یہ خدمت پسند کی - اور ۱۸۳۲ء مین اُسکے زیر حکم دس ہزار سپہگرون کی جماعت تھی جنکو لے کے اُس نے شہر اوران پر حملہ کر دیا - یہان فرانسیسی قوت بڑے زور دن پر تھی - اور مقابلہ کرنا کوئی آسان کام نہ تھا - چنانچہ کئی بار اُسے سخت نقصان اُٹھا کے پسپا بھی ہونا پڑا - لیکن باوجود ان نقصانون اور شکستون کے لڑائی سے اُس نے فائدہ ہی اُٹھایا - ایک طرف تو یہ ہوا کہ یورپ و افریقہ مین اُسکی شجاعت و سپہگری کی دھوم ہو گئی - خود اُسکے ہم وطن مطیع و فرمان بردار ہو کے اُسکے اشارون پر چلنے لگے -

تمام قبائل عرب نے جن مین اکثر لڑائی رہا کرتی تھی اُسکے آگے سر اطاعت جُھکا دیا۔ اور سب اُسکے جھنڈے کے نیچے لڑنے کو تیار ہو گئے۔

عنان سپہ سالاری ہاتھ مین لینے کے بعد عبد القادر نے فن جنگ مین ایسی نمایان ترقی کی کہ ساری دنیا چونک اُٹھی۔ اور اُس نے اپنے ہمراہیون کو یہ فن سکھا دیا کہ توپون کی سخت سے سخت آتشباری مین ٹھہر کے کیونکر دشمنون کا مقابلہ کرین۔ عرب لوگ توپون سے بہت ڈرتے اور بے انتہا گھبراتے تھے۔ عبد القادر نے دو ایک میدانون مین اُنھین نہایت خوبصورتی اور حُسن تدبیر سے لڑا کے کامیاب کرا دیا تو وہ اُسکے اور زیادہ گرویدہ ہو گئے۔ اور مخالفون تک کو اس بات کا اعتراف ہے کہ عبد القادر ہی تھا جس نے عربون کو اس بات کی اعلے درجہ کی تعلیم دی کہ یورپ کی توپون کے سامنے کیونکر ٹھہرین اور کس طرح یورش کر کے دشمنون کی توپین چھین لین۔

ان مسلسل لڑائیون اور یورشون کا یہ نتیجہ ہوا کہ فرانسیسیون کو مجبوراً امیر عبد القادر کا دباؤ ماننا پڑا۔ اور آخر سنہ ۱۸۳۴ء مین فرانسیسیون۔ اور الجیریا والون کے فیمابین ایک معاہدہ ہو گیا جسکی رُو سے عبد القادر شہر معسکر کا امیر اور صوبہ اوران کا فرمانروا تسلیم کیا گیا۔ اور ملک کی اندرونی تجارت پر اُسے محصول لگانے کا حق دیا گیا۔ یہ معاہدہ ہی بتا رہا ہے کہ عبد القادر نے اوران کو بزور شمشیر فرانسیسیون سے لے لیا تھا۔ اور اپنی قوت سے اُس نے وہ حقوق حاصل کر لیے تھے جو یورپ والون سے کسی کو مشکل ملسکتے ہین۔

اس معاہدے کے بعد اُس کی عظمت بہت بڑھ گئی مقتدائی سے اُسنے حکمرانی حاصل کی۔ اور بہت رفتہ رفتہ قدم آگے بڑھا کے وہ سریر شہریاری کی زیب و زینت بن گیا۔ اس موقع پر بعض بھائی بند اور بعض اعزا کیا اُس پر حسد آیا جو ہمیشہ رہے کیے اُسکی مخالفت کو اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اکثر مشرقی ملکون مین ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ جہان خود غرضی قومی منافع پر ہمیشہ غالب آ جایا کرتی ہے۔ مگر عبد القادر کی شجاعت و خوش تدبیری ان سب مشکلون پر غالب آئی۔ اور کل حریف اُس کے مطیع و منقاد ہو گئے۔

تاہم ان حریفون کی مغلوبی۔ اور فرانسیسیون سے معاہدہ ہو جانے کے بعد بھی امیر عبد القادر کو کبھی اطمینان سے بیٹھنا نصیب ہوا۔ کیونکہ سلطنت فرانس کی طرف سے چھیڑ چھاڑیان چلی ہی جاتی تھین۔ اور روز نئے جھگڑے اُٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ مگر عبد القادر نے فرنچ افسرون کے ہر طرح دانت کھٹے کر دیے تھے کہ بیان کیا جاتا ہے کہ اپنی عظمت عملی اور مستعدی سے

اُس سے اپنے کیمپ کو ایک متحرک اور انتقال پذیر شہر بنا لیا تھا۔ جو کبھی کہین ہوتا۔ اور کبھی کہین۔ دشمنون کو ایام جنگ مین اس کا پتہ بھی مشکل سے چلتا کہ وہ اور اُس کا شہر کہان ہے لیکن ۱۸۴۷ء مین وہ فرانسیسی فوجون مین اس طرح گھر گیا کہ بھاگنے کی کوئی صورت نہ نظر آئی اور آخر اُسے مجبور ہو کے فرنچ جنرل لاموری سئیر کے آگے ہتھیار رکھ دینا پڑے۔ ہتھیار رکھنے سے پیشتر یہ شرط ہو گئی تھی کہ وہ یا تو اسکندریہ مین بھیج دیا جائے گا اور یا ایک اور شہر مین جو سینٹ جین ڈایکر کے نام سے شہرت رکھتا ہے۔ لیکن گرفتار کر لینے کے بعد فرنچ گورنمنٹ نے بدعہدی کی اُس شرط کے پورا کرنے سے انکار کر دیا۔ اور عبد القادر اپنے وطن سے نکال کے طولون کے ایک قلعہ مین زیر حراست رکھا گیا۔

سر سید نے اپنے سفر یورپ کے حالات مین جہان پیرس کے واقعات بیان کئے ہین یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ کسی جگہ انھون نے ایک تصویر دیکھی جس مین یہ سین دکھایا گیا تھا کہ فرانسیسی سپاہیون نے ایک اونٹ پر سے محمل کو گرایا ہے جس سے کئی جوان عورتین اور بچے نکل کے زمین پر گر پڑے ہین وہ سب بیکسی کی حالت مین سہمے ہوئے ہین۔ اور فرنچ سپاہی اُن پر اپنی سنگینون سے حملہ کرنے کو ہین۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ اس تصویر مین عبد القادر کے حرم کی گرفتاری اور دولت فرانس کی عظمت دکھائی گئی ہے۔ سید صاحب کو یہ ناگوار ہوا۔ چنانچہ انھون نے اس تصویر کو فرانسیسیون کی کم ظرفی پر محمول کیا۔ اور لکھ دیا کہ عبد القادر کی عظمت و شجاعت دنیا کی نظر سے پوشیدہ نہین رہ سکتی جس نے مدتون دولت فرانس کو حیران و پریشان رکھا تھا۔ اس تصویر کو دیکھ کے سوا اس کے کہ خود فرنچ لوگون کی لغویت اور ایک نہایت ہی ذلیل حرکت عالم آشکارا ہو عبد القادر کے نام پر کوئی حرف نہین آسکتا۔ بلکہ دیکھنے والے کو اس تصویر سے عبد القادر کی بہادری اور شجاعت کا اور زیادہ یقین ہو جاتا ہے۔

عبد القادر چار ہی سال طولون مین قید رہنے پایا تھا کہ خود شہنشاہ فرانس لوئی نپولین کو اُس کے حال پر ترس آیا۔ اور اُسے اس شرط سے آزادی دی گئی کہ پھر کبھی الجیریا مین جا کے فرانسیسیون سے مخالفت نہ کریگا۔ اور نہ اُن کے خلاف کوئی سازش کریگا۔ اُس نامی گرامی شجاع عرب نے یہ شرط قبول کر لی۔ اقرار کیا کہ مین اب کبھی ایسا نہ کرون گا۔ اور دولت فرانس نے اُسکی مرضی کے مطابق اُسے دولت عثمانیہ کے شہر بروسہ مین بھیج دیا جو ایشیائے کوچک مین ہے

ہے۔ چنانچہ ۱۸۵۳ء میں وہ اپنے اس نئے مسکن میں پہونچا۔ یہان چندہی روز رہا تھا کہ اُسے خاص قسطنطنیہ میں اقامت گزین ہونے کی اجازت اور آزادی مل گئی۔ اور اختیار تھا کہ قلمرو عثمانیہ میں جہان چاہے رہے۔ اور جہان جی چاہے جائے۔

اسکے بعد ۱۸۵۵ء میں پیرس میں ایک نمایش گاہ قرار پائی جسکی سیر کے لیے امیر عبدالقادر بھی آیا۔ اور سیر کر کے واپس گیا۔ ۱۸۶۰ء میں ارض شام میں دروز[عہ] کا ہنگامۂ عظیم ہوا جس میں دروز لوگ جو نہایت ہی بہادر اور سخت ہین عیسائیوں کے خلاف بگڑ کھڑے ہوئے۔ اور قتل و خون کا بازار گرم ہونے کو تھا۔ اور کوہ لبنان کے علاقہ میں بہت سے عیسائی قتل بھی ہو گئے۔ امیر القادر نے اس موقع پر بڑی مردانگی و شرافت سے کام لیا۔ مسلمانون کو اپنے ذاتی اثر سے روکا۔ اور چونکہ وہ مسلمانون میں نہایت ہی ہر دل عزیز تھا اسلیے اُسکے درمیان مین پڑتے ہی مسلمانون نے تلوارین میان مین کر لین۔ اور جس عام خونریزی کا اندیشہ تھا نہ ہونے پائی۔ مسیحیون کو اس امر کا پورا یقین تھا کہ صرف عبدالقادر نے اُنھین اس موقع پر بچا لیا۔

الجیریا کے شیوخ نے اب اُسکے پاس بار بار پیام بھیجنا شروع کیے کہ پھر وطن مین واپس آ کے عنان حکومت اپنے ہاتھ مین لیجیے۔ اور فرانسیسیون سے لڑیے۔ دولت فرانس نے اگرچہ گرفتار کرتے وقت اُس سے بدعہدی کی تھی مگر اُسکے قدم کو ہرگز لغزش نہوئی اور اہل وطن کو اُسنے صاف جواب دے دیا کہ مین اب تمھارے کام کا نہین رہا۔ اور فرانسیسیون سے مین نے جو عہد کر لیا ہے اُسپر ہمیشہ قائم رہونگا۔

۱۸۶۳ء مین اُس نے پھر سفر حج کیا۔ اور ۱۸۶۶ء مین دوبارہ فرانس کا سفر کیا۔ پیرس کو خوب پھر کے دیکھا۔ اور چند روز کے لیے لندن کی بھی سیر کی۔

اُسکی زندگی پوری دینداری اور نیک نفسی مین بسر ہوئی۔ یہان تک کہ آخر عمر مین پھر مکہ معظمہ کا سفر کیا۔ اور وہین جوار حرم محترم مین ۱۸۸۳ء مین وفات پائی اور اُسی پاک زمین مین آغوش لحد کے سپرد کیا گیا۔

عہ ارض شام مین یہ ایک مذہبی فرقہ ہے جو لوگ نہایت بہادر اور اُجڈ مشہور ہین الحاکم بامر اللہ فاطمی خلیفہ مصر کو وہ خدا مانتے ہین۔ اور اوسکے نفسی حمزہ کے ملفوظات کا ایک مجموعہ اونکے پاس ہے جسکو کتاب الدرر [illegible] کہتے اور قرآن سے زیادہ مانتے ہین۔ انکے عقائد و عبادات آج تک دنیا مین ایک راز سربستہ بنے ہوئے ہین۔ بظاہر یہ لوگ دین اسلام سے خارج ہین مگر اس مین شک نہین کہ وہ ایک مسلمانون ہی کا فرقہ ہے۔

سیف و قلم

اس مین شک نہین کہ سیف و قلم دونون بلا کی قوت و عظمت رکھتے ہین۔ اور جو اثر خدا نے
ان دونون کو دیا ہے کسی چیز کو نہین دیا۔ مگر اسی قوت و عظمت نے دونون کو ایسا از خود رفتہ
کیا کہ نہایت ہی مغرور و متکبر ہو گئے۔ اور اُن کے دعوے حد اعتدال سے گزرنے لگے تلوار نے
دعواے "انا و لا غیری" کے زعم مین دنیا بھر مین غل مچا دیا۔ ع ہر کہ شمشیر زند سکہ بنامش خوانند +
اُدھر قلم کو جو جوش آیا تو وہ اُس سے بھی ایک قدم اور آگے بڑھ گیا اور معتبر شہادتون سے اُس پر یہ
باغیانہ الزام ثابت ہو چکا ہے کہ حضور کنگ امپرر کے ہوتے "قلم گوید کہ من شاہ جہانم"۔
ان مجرمانہ دعوون کا لازمی نتیجہ تھا کہ دولت برطانیہ کی سراپا انصاف عدالت نے
دونون کو سزا دی۔ تلوار تو آج سے پچاس سال پہلے ہی ہم سے چھین کے خاص شاہی محل
مین قید کر دی گئی تھی۔ قلم باقی تھا۔ سنہ ۱۹۱۰ء کے آغاز مین وہ بھی چھین لیا گیا۔ اور اسکی نسبت
حکم ہوا کہ چند خاص ہاتھون کی گرفت سے باہر نہ نکلنے پائے۔
ان سزاؤن سے خود تلوار اور قلم پر کیا اثر پڑا اس کا حال تو خود اُن سے پوچھیے یا اُن
لوگون سے جنکے وہ قبضہ مین ہین۔ ہان ہم البتہ بالکل بیکار ہو گئے۔ جب تلوار ہاتھ سے رکھی ہے
اُسوقت نہتّے ہوئے تھے تو اب قلم کو ہاتھ سے رکھ کے گونگے ہو گئے۔ بعض سرکش صاحبان سیف و قلم
نے ایسی متمردانہ آزادیان دکھائین کہ شاید ہمارے لئے اب یہ کہنے کا بھی موقع نہ باقی رہا ہوگا کہ
جس تلوار کو "ہر کہ شمشیر زند سکہ بنامش خوانند" کا دعوی ہے۔ اور جس قلم نے یہ فرعونی دعوی
کیا کہ "من شاہ جہانم" وہ حضور ہی کے سیف و قلم ہین۔ دوسرے کے ہاتھ کے شمشیر و قلم مین یہ
داعیہ کہان؟ جو تلوار اور جو قلم کہ رعایا کے ہاتھ مین ہون اُن کی اتنی مجال کہان کہ ایسا "انا و لا غیری" کا
شور مچائین ہمارے ہاتھ مین اگر تلوار رہتی تھی تو حضور ہی کی دی ہوئی۔ اور حضور کی تلوار کے اشارون
پر چلنے والی اسی طرح ہمارے ہاتھ مین قلم تھا تو حضور ہی کا عطا کیا ہوا۔ اور حضور ہی کے بتائے
ہوئے اصول پر چلنے والا۔ مگر افسوس کہ سرکار کو اعتبار نہ آیا۔ اور یہ دونون شرافت
کے تمغے ہم سے چھن گئے۔
ہمارے ہاتھ کی تلوار اگر ملک مین کوئی سکہ بٹھاتی تو وہ آپ ہی کا سکہ ہوتا۔ اور ہمارا

قلم دعوائے سلطنت کرتا تو وہ آپ ہی کی سلطنت ہوتی جسے وہ اپنی سمجھتا اور اُس پر ناز کرتا۔ لیکن خیر اب تو جو ہونا تھا ہوا۔ آپ جیسا چاہتے تھے ویسا ہی فیصلہ ہو گیا لیکن اس فیصلہ کے وقت ہم سمجھتے ہین کہ ایک بہت ہی ضروری اصول پر حضور کی نظر نہین پڑی جسکی طرف توجہ کرنا ہمارے خیال مین نہایت ضروری تھا۔

انسان کے جسم مین کبھی کبھی دو چار پھوڑے پھنسیان نہ نکل آیا کرین تو مادۂ فاسد سارے جسم کو سڑا ڈالے اسی طرح کرۂ زمین پر اگر چند آتش فشان پہاڑ نہ ہون تو ساری زمین بخاراتِ محتبس کے زور و جوش سے پاش پاش اور غارت ہو جائے۔ انھین چیزون پر منحصر نہین ہر جوش کے لیے نکلنے کا کوئی ایک راستہ ضرور چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اور ایک جاہل معمار بھی اس اصول کو خوب سمجھا ہوا ہے کہ مکان مین اگر موری نہ بنائی جائے گی تو ایک ہی برسات مین منہدم ہو جائے گا۔ اصول جنگ مین بھی اس کلیہ سے ورگزر نہین کیا جاتا کہ ایک مجبور و مایوس اور جان پر کھیل جانے والے محصور حریف کے لیے اُس حد تک راستہ چھوڑ دیا جانا چاہیئے جہان تک کہ اوسکا جوش جان بازی فرو ہو جائے۔

لیکن ہماری سمجھ مین نہین آتا کہ پالٹکس کی دُنیا مین آکے یہ عام قاعدہ حضور کے ذہن سے کیون اُتر گیا۔ انسان کو دلی جذبات کے ظاہر کرنے یا دوسرے الفاظ مین یون کہا جائے کہ دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے قدرت نے دو طریقے عطا کیے ہین۔ ایک زبان جس کا سفیر قلم ہے اور دوسرا ہاتھ جو تلوار سے کام لیا کرتا ہے۔ کسی کو جب کسی پر غصہ آتا ہے۔ یا کسی سے ملال ہوتا ہے تو وہ یا تو سخت سست الفاظ کہتا اور گالیان دے کے اور خوب جی بھر کے کوس کے دل کی بھڑاس نکال ڈالتا ہے۔ اور یا تلوار سے کام لیتا ہے۔ اور اپنے یا حریف کی جان کے درپے ہو جاتا ہے۔

غیظ و غضب ہی پر کیا موقوف ہے اگر غور سے دیکھیے تو انسان خیال آفرینیون کی ایک کل ہے جس کے اندر ہر گھڑی طرح طرح کے جذبات حرکت مین آتے رہتے ہین۔ اور ہر دم ایک تازہ جوش پیدا ہوتا ہے۔ ان جذبون اور جوشون کے نکلنے کے یہی دو راستہ ہین زبان اور ہاتھ۔ اور زبان اور ہاتھ کے اوزار قلم اور تلوار ہین۔ جب یہ دونون راستہ بند ہو گئے۔ اور لوگ اپنے بخارات کو نہ زبان سے نکال سکین گے اور نہ ہاتھ سے تو پھر اُن بخارات کے دل مین محتبس ہونے اور سینے مین دبے پڑے رہنے سے جن خرابیون فسادون اور فتنون کے

پیدا ہونے کا اندیشہ ہے وہ معمولی نہین تصور کیے جا سکتے۔

سب سے بہترین حکمت عملی یہی تھی جس پر ہماری سلطنت کا اس سے پہلے عمل درآمد تھا۔ یعنی تلوار چھین کے ہاتھ کی قوت جو نہایت ہی خطرناک اور امن و امان مین خلل ڈالنے والی ہوتی ہے توڑ دی گئی۔ اور زبان و قلم کو آزادی دے دی گئی کہ جو چاہین کہین اور برا بھلا جو دل مین آئے لکھ مارین۔ اُن کے لکھ مارنے یا زبان سے بک ڈالنے سے نہ سلطنت کے کسی انتظام کو نقصان پہونچ سکتا تھا اور نہ ملک کے امن و امان مین کسی قسم کا خلل پڑ سکتا تھا۔ کیونکہ فتنہ انگیز چیز جس سے عبارت شمشیر بران ہے اُن کے ہاتھون سے چھین لی گئی تھی۔ اور اگر وہ شیر غران بھی تھے تو اُن کے ناخن کاٹ لیے گئے تھے۔

لیکن قلم کے چھین لینے کے بعد اظہار جوش کا وہ ایک بے خطر راستہ جو کھلا ہوا تھا وہ بھی بند ہو گیا۔ اور گویا اس کا سامان کر دیا گیا کہ رعایا کے دلون مین۔ یا سرکار کے چند بدخواہون ہی کے سینون مین جس قسم کا جوش پیدا ہو وہ اندر ہی اندر بند رہ کے زیادہ پرورش پائے زیادہ پختگی اور قوت حاصل کرے۔ اور جس سینہ مین بند ہے۔ اُس سے ایک بڑی دہلا دینے والی آواز کے ساتھ پھوٹے جس طرح کہ کوئی زبردست پراقہ پھٹتا ہے اور اُسکی آواز دور دور تک گونج اوٹھتی ہے۔

شخصی سلطنتون نے اکثر اوقات اسی قسم کی غلطیان کی ہین۔ اور اپنی ناعاقبت اندیشی سے رعایا کے دل و زبان اور دست و قلم پر پہرے بٹھائے ہین۔ اور ہمیشہ اسکا برا نتیجہ ظاہر ہوا ہے۔ لیکن آزاد خیال برٹش نیشن سے ایسی فروگذاشت اور تنگ خیالی کی ہم کو امید نہ تھی۔ یہ بم کے گولے جو کبھی کبھی برآمد ہو کے پھوٹتے ہین اور سارے ہندوستان مین اُن کا شور مچ جاتا ہے۔ اُن کا انسداد اور تدابیر سے بھی ہو سکتا تھا۔ لیکن یہ انتظام کہ صدہا سینہ خطرناک جوش فساد سے لبریز ہو کے خود ہی بم کے گولے بن جائین بدرجہا زیادہ خطرناک ہے۔ مگر ہمین اس موقع پر اپنا خیال ظاہر کر دینا تھا ورنہ ہمین اس قسم کے امور سے کوئی تعلق نہین۔ کیونکہ۔ ع	رموز مملکت خویش خسروان دانند۔

اُردو لٹریچر

ایک بہت بڑی کمی ہمارے لٹریچر مین یہ بتائی جاتی ہے کہ اُردو مین اُسوقت تک علمی

مصطلحات کی بہت کمی ہے۔ اور ہم جسوقت کسی علمی مسئلہ کے متعلق یا کسی فن کے مسائل پر بحث کرنا
چاہیں تو مجبور ہیں کہ اگر وہ کوئی قدیم علم و فن ہو تو عربی کے اصطلاحات اختیار کریں۔ اور اگر کوئی
نیا علم و فن ہو تو انگریزی کے اصطلاحات کہا جاتا ہے کہ اہل عرب نے جب ان علوم کو لیا ہے
تو خاص اپنی زبان میں سے اصطلاحی الفاظ تراش لیے تھے جسکی یہ برکت تھی کہ غیر زبانوں کی غلامی
سے آزاد ہو گئے۔ اور عربی بجائے خود ایک علمی زبان بن گئی۔ مگر ہم سوا دوسری زبانوں کی
خوشہ چینی کے اور کچھ نہیں کر سکتے۔

یہ کمی اس قدر محسوس کی جا رہی ہے کہ ہندو مسلمان دونوں اس فکر میں ہیں کہ اپنے اپنے
مذاق کے مطابق علمی اصطلاحات تصنیف کریں۔ ہندو چاہتے ہیں کہ ہندی میں لکھنے والے
اصطلاحات ہوں اور انکا ماخذ سنسکرت قرار دیجائے مسلمان چاہتے ہیں کہ اُردو کی بنا
کے لیے عربی زبان ماخذ اصطلاحات قرار دیجائے۔ اور جتنے اصطلاحات لیے جائیں عربی
سے لیے جائیں اسی دُھن میں دونوں گروہ طرح طرح کی کوششیں کر رہے ہیں کوئی
چاہتا ہے کہ اصطلاحات کی ایک جدید کتاب لغت تصنیف کر کے شایع کر دیجائے۔
کوئی تھوڑے تھوڑے اصطلاحات بنا کے اخباروں اور رسالوں میں شایع کر دیتا ہے تاکہ
عام لوگ اُن کو اختیار کر لیں۔ اور وہی مصطلحات آئندہ علمی کتابوں میں اختیار کیے جائیں۔
جدید علوم جو اب نئے نئے یورپ میں پیدا ہوئے ہیں انکی اصطلاحوں کے ترجمہ کی کوشش
چند روز ہوئے مصر میں بھی ہو رہی تھی۔ اور متعدد علما نے اپنی متحدہ کوشش سے اس قسم کے
نئے عربی اصطلاحات تراش تراش کے وہاں کے رسالوں اور اخباروں میں شایع کرنا
شروع کئے تھے مگر سچ یہ ہے کہ سب لوگ عام اس سے کہ مصر کے ہوں یا ہندوستان کے
اور ہندو ہوں یا مسلمان سب غلطی پر ہیں۔ اور انکی یہ سب کوششیں نقش برآب ہیں۔
نہ انکے تراشے ہوئے الفاظ زندہ رہ سکتے ہیں اور نہ اُن سے انکے لٹریچر کو کسی قسم کا نفع حاصل ہو سکتا ہے
یہ ایک سامنے کا اور کھلا ہوا مسئلہ ہے کہ لغت زبان کا تابع ہے نہ یہ کہ زبان لغت کے تابع
ہو۔ جو الفاظ کسی زبان میں پیدا ہو چکتے ہیں۔ عام اس سے کہ اُس زبان کے اصلی الفاظ ہوں یا کسی
دوسری زبان سے لیے ہوئے اُن کا استقرا و استقصا کر کے کتب لغت مدوّن کیے جاتے ہیں۔ مگر
آج تک دنیا میں کبھی یہ نہیں ہوا کہ الفاظ عام اس سے کہ مصطلحات ہوں یا عام قسم کے کتب لغت سے
لیکے تحریر و تقریر میں شامل کیے جائیں۔ اصطلاحوں کی تصنیف و ایجاد کا صحیح محل یہ ہے کہ ہر فن پر ایک کتاب

تصنیف کی جائے - اور اُس مین ضرورت کے مطابق نئے اصطلاحی الفاظ تراش کے کام مین لائے جائین - اور جب وہ کتابین اُس فن کے نصاب مین شریک ہوجائین تو اُن سے لیکے وہ مصطلح الفاظ لغت مین اضافہ کیے جائین -

لیکن یہان ایسا نہین ہوتا - اور نہ اس قسم کی کوشش کیجاتی ہے - اس وقت تک جتنی کتابین علوم قدیمہ وجدیدہ کی اُردو مین لکھی گئین اُن سب مین عموماً یہی طریقہ اختیار کیا گیا کہ بجائے اس کے کہ اصطلاحات کے لیے مناسب الفاظ ڈھونڈھے جاتے عربی و انگریزی کے الفاظ بجنسہ نقل کر دیے گیے - جن سے صرف اُردو جاننے والے نہ مانوس ہین اور نہ اُنھین صحیح طور پر زبان سے ادا کرسکتے ہین - اُن اصطلاحون کی غیر مانوسی کی وجہ سے علوم وفنون کی تعلیم ہندوستان مین کسی طرح عام نہین ہوسکتی - اور اُردو لٹریچر کے حامیون کو اپنے سامنے ایک ایسی دشواری نظر آتی ہے جو کسی طرح ہٹائے نہین ہٹتی -

اس مشکل کا اصلی راز وہی ہے جو اسی مضمون کے پہلے حصہ مین ہم بیان کر چکے ہین - یعنی اُردو تعلیم کا ناقص ہونا - اُردو مذاق کا مغلوب رہنا - خود اہل زبان کا اپنے وطنی لٹریچر سے مطمئن نہونا اور خاص اُردو زبان کے متعلقہ مسائل مین بھی اُردو دانون کے مقابل عربی وانگریزی جاننے والون کے اثر کا زیادہ ہونا - ہمارے سامنے سب سے بڑی مثال عربون کی ہے اُنھون نے جس وقت یونانی ورومی اور دیگر السنہ کے علوم وفنون اپنی زبان مین لینے اُس وقت چند مجرد ومنتزع علوم تھے - اور جس پبلک کے سامنے پیش کرنے کے لیے وہ کتب علوم کا ترجمہ کرتے اُس پر عربیت کا ذوق غالب تھا - اُس مین صرف اپنی مادری زبان کا جاننے والا دیگر السنہ کے ماہرین کے سامنے ذلیل وکم وقعت نہین تصور کیا جاتا - بلکہ وطنی لٹریچر کا اثر اس قدر غالب تھا کہ مترجمین اگر اُسکے خلاف یا اُس سے نامناسب روش اختیار کرتے تو اپنی کوشش مین سرسبز نہ ہوسکتے - اسلیے وہ مجبور تھے کہ ہر اصطلاح کے مقام پر کوئی عربی ہی لفظ اختیار کرین بلا لحاظ اسکے کہ لغتہً وہ اصلی یونانی ورومی الفاظ کا پورا پورا ہم معنے ہو یا نہ ہو - جب وہ ایسے الفاظ کو اختیار کر لیتے تو کتاب کے مشہور ہوتے ہی وہ علمی دنیا مین مقبول ہوجاتے - اور دراصل مین نہ بھی ہوتے تو اصطلاح قرار دیے جانے کے بعد اُن یونانی ورومی اصطلاحی الفاظ کے ہم معنے بن جاتے -

خود اُردو زبان مین بھی ہمارے سامنے ایک اسی قسم کی نظیر موجود ہے تعزیرات ہند

اور دیگر کتب قوانین کا ترجمہ جب اُردو زبان مین کیا گیا۔ اور گورنمنٹ نے چند قابل بزرگون کو اس خدمت پر مامور کیا تو انھون نے تمام قانونی مصطلحات کے لیے جو الفاظ مناسب معلوم ہوئے تراش کے قایم کردیے۔ گو اُن الفاظ سے اُس سے پہلے کبھی اصطلاحون کا کام نہین لیا گیا تھا۔ اور پہلے پہل جب کام مین لائے گئے ہین بعض لوگون کو بھدّے گران۔ اور غیر مانوس معلوم ہوئے ہون گے۔ مگر جیسے ہی وہ قانونی کتابین ملک مین پھیلین عدالتون نے اُنکی طرف توجہ کی۔ وکلا اور اہل مقدمہ اُن سے کام لینے پر مجبور ہوئے وہ اصطلاحین بچہ بچہ کی زبان پر چڑھ گئین۔ اور اُن مین نہ کسی قسم کی گرانی تھی اور نہ کسی طرح کی نامانوسی۔ اور چند روز بعد وہی الفاظ قانون کی کتابون سے لیکے کتب لغت مین بھی درج کردیے گئے۔

لہذا یہ کمی یون نہین پوری ہوسکتی کہ ان اصطلاحات کی ایک کتاب لغت تصنیف کر کے شایع کردی جائے۔ بلکہ انجمن اُردو۔ یا دیگر حامی زبان انجمنون کا کام بجاے لغتون کے تصنیف کرانے کے یہ ہونا چاہیے کہ جن علوم وفنون کے اصطلاحات بنانا منظور ہون اُنھین کے متعلق جامع ومانع اور مختصر رسالے تصنیف کرا کے شایع کیے جائین اور اُن مین اصطلاحات کا ترجمہ مناسب الفاظ مین کیا جائے۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ مصطلحات کا ترجمہ کرنے کی ضرورت نہین۔ بلکہ عربی سے علوم قدیمہ کے جو پرانے اصطلاحات اُردو مین لیے جا چکے ہین وہ تو وہی برقرار رکھے جائین اور علوم جدیدہ اور خاصّۃً سائنس کے لیے نئے اُردو یا عربی اصطلاحات پیدا کرنے کے بجاے انگریزی مصطلحات بجنسہ اُردو مین نقل کر لیے جائین لیکن اس سے نہ اُردو کوئی علمی زبان بن سکتی اور نہ اُردو لٹریچر اپنی کوئی وقعت قایم کر سکتا ہے۔

علم طب کے متعلق کون کتاب یا کون سا مسئلہ ہے جسکا ترجمہ فارسی یا اردو مین نہین ہو گیا بلکہ مفردات اور نیز قرابادینون کے لحاظ سے دیکھو تو فارسی و اردو کی نوتصنیف کتابین زیادہ حاوی اور جامع ہین لیکن محض اسوجہ سے کہ طب کے تمام مصطلحات عربی کے ہین اس فن مین فارسی اُردو دونون عربی کی غلامی سے آزاد نہ ہوسکین جو طبیب عربی زبان نہ جانتا ہو مستند اور باوقعت نہین مانا جاتا حتے کہ یہ خیال ہر شخص کے ذہن نشین ہے کہ بغیر عربی پڑھے طب آ ہی نہین سکتی۔

اسی طرح اگر آپ سائنس کے متعلق اصطلاحات کو انگریزی سے بجنسہ نقل کر لین گے۔

قطع نظر اسکے کہ علوم سائنس اُردو دان طلبہ کے لیے بالکل غیر مانوس اور ناقابل فہم رہین گے محض اُردو مین سائنس کی تعلیم پانے والون کا علمی دنیا مین کوئی اعتبار نہ قایم ہوسکے گا۔ اور ہمیشہ یہی سمجھا جاے گا کہ بغیر انگریزی پڑھے سائنس آہی نہین سکتا۔

بہر تقدیر حامیان اُردو کو اگر اُردو سے کسی قسم کا اُنس ہے تو اُن کا فرض ہے کہ اُردو مین سائنس کے فنون کا ترجمہ کرین۔ اور مصطلحات کے مفہوم کو خوب سمجھ کے اُنکی جگہ مناسب الفاظ عام اس سے کہ وہ اُردو کے ہون یا فارسی کے یا عربی کے استعمال کرین۔ اگر اُن لفظون کو ذرا بھی مقبولیت حاصل ہوئی (اور ضرور حاصل ہوگی) تو ہم کو یقین ہے کہ اچھے خاصے اصطلاحات بن جائین گے اور اُردو چند ہی روز مین ایک علمی زبان بن جائے گی۔

ایسے مصطلحات کے کام مین لاتے وقت اس بات کا زیادہ لحاظ کرنے کی ضرورت نہین کہ وہ الفاظ خوبصورت۔ موزون اور پوری طرح ہم معنے ہین یا نہین۔ کیونکہ ابتدائی استعمال کے وقت ہر خوبصورت سے خوبصورت لفظ بھی اُس محل پر بھونڈا اور اُکھڑا ہوا معلوم ہوگا۔ اور یقین کرلو کہ یہ مصطلحات جس زبان مین قایم کئے گئے ہون گے پہلے پہل ایسے ہی بھونڈے اور غیر مانوس نظر آئے ہونگے۔ الفاظ مصطلحات کو صرف استعمال مانوس اور خوبصورت بناتا ہے۔

زبان اُردو کا نیا سرمایہ

آصف اللغات۔ نواب عزیز جنگ بہادر حیدرآباد دکن کے اُن چند منتخب لوگون مین ہین جنھون نے علم سے فائدہ اُٹھانے کی پوری قابلیت کے ساتھ وقت کی قدر و قیمت جانی ہے وہ ایک وظیفہ یاب عہدہ دار سرکار نظام ہین۔ اور ہمیشہ کوئی نہ کوئی علمی مشغلہ ضرور جاری رکھتے ہین۔ فی الحال چند روز سے اُنھون نے ایک نئے اور بالکل اچھوتے رنگ کی کتاب لغت تصنیف کرنا شروع کی ہے جسکی پہلی جلد چھ سات مہینہ ہوئے شایع ہوئی تھی اب دوسری جلد ہمارے سامنے ہے۔ یہ دونون جلدین ۱۲۰۲ صفحون پر ختم ہوئی ہین۔ کاغذ چھپائی لکھائی اور ہر حیثیت سے کتاب اعلے درجہ کی ہے۔ اور ہر جلد مجلد دیجاتی ہے استیعاب و تکمیل کا پتہ اس سے لگ سکتا ہے۔

کہ ملحوظ لغت ابھی الف ممدودہ بھی نہین ختم ہوا۔ اصل مین یہ لغت مصطلحات فارسی کا ہے۔ اور فارسی ہی مین معنے بتائے گئے ہین۔ مگر نئی اور انوکھی بات یہ ہے کہ انھین فارسی محاورات کے سلسلہ مین اُردو محاورات بھی بتا دیے گئے ہین جنکا مطلب اُردو مین بتایا ہے۔ لغت ہز اکسلنسی لارڈ منٹو بہادر وایسرائے ہند کے نام پر ڈیڈی کیٹ کیا گیا ہے۔ اور ہر جلد کی اشاعت پر گورمنٹ آف انڈیا سے پانچ سو روپیہ۔ اور گورمنٹ نظام سے پانچ سو روپیہ فی جلد مصنف کو انعام ملتے ہین۔ جسکی وجہ سے مصنف صاحب نے بکمال فیاضی اس لغت کی قیمت مین اصل لاگت سے ایک ثلث حصہ پبلک کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ اور ہر جلد کی قیمت ع۸ مقرر کی ہے۔ اسکے علاوہ ۲۵ جلدین علیگڈھ کے طلبہ کو اور ۱۵۰ جلدین عام قدر دانان سخن کو مفت دیتے ہین۔ ہم نواب صاحب کو اُن کی کامیابی پر مبارکباد دیتے ہین اور امید رکھتے ہین کہ ہندوستان کی پبلک اُن کی اس تصنیف کی اور نیز اُن کی قدر کرے گی۔
مکمل ریویو انشاءاللہ بشرط حیات ہم اسوقت لکھین گے جب کتاب تکمیل کو پہونچ جائیگی۔

صوفی یہ تصوف کا ایک اعلے درجہ کا رسالہ ہے جو مولنا محمد الدین اوان چشتی نظامی حیدری کے زیر اہتمام مقام منڈی بہاء الدین ضلع گجرات پنجاب،، سے حضرت سید حیدر شاہ صاحب جلالپوری رحمۃ اللہ کی یادگار ہین۔ ماہوار شایع ہوتا ہے۔ فروری ۱۹۱۰ء کا رسالہ جو ہمارے سامنے ہے ۴۴ صفحون پر ختم ہوا ہے۔ اور قیمت صرف ۵ع سالانہ ہے۔ مضامین تصوف کے لحاظ سے دیکھا جاے تو پوری طرح رنگ مین ڈوبا ہوا ہے۔ اور بہت سے اعلے درجہ کے مضامین اس کے صفحات پر نظر آتے ہین۔ لیکن ایڈیٹر صاحب کو ہم مشورہ دین گے کہ بجاے حد سے گزرے ہوئے خوارق عادات۔ اور بہت سی عام قسم کی باتون کے۔ وہ زیادہ گہرے مذاق توحید۔ اور زیادہ سنجیدہ مسائل فلسفۂ الٰہی کی طرف توجہ کرین مجھے یقین ہے کہ حضرت صوفیہ اور عام مسلمان اس رسالہ کی قدر کرین گے۔

دلگداز

ہمارے بہت سے کرمفرماؤن نے ہماری فریادرسی اور بے انتہا توجہ سے کام لیا۔ لیکن پرانے احباب مین سے ابھی بہت سے اس طرح خاموش ہین کہ گویا انھین خبر ہی نہین ہوئی۔ وہ گدگدانے سے نہین خبر ہوتے تو شاید اسکے منتظر ہین کہ ہماری پُردرد صداے دلگداز انھین بےچین کرے؟ اور بیتاب ہو کے کہین کیا کہتے ہو۔ سچ کہتے ہین کہ "آخر العلاج الکے"۔

گریبان

صدہا بار چاک کیا اور پھر وہی گلے کا ہار! ہزارون دفعہ نوچ کے پھینکا۔ اور پھر اُسی طرح گلوگیر! آہ! کیا کرین کہ اس ظالم گریبان سے پیچھا چھوٹے۔ آہنی بیڑیان کٹ جائین۔ فولادی ہتکڑیان ٹوٹ جائین۔ مگر اس کمزور گریبان کے طوق و سلاسل سے گلوخلاصی نہ ہو! کچھ سمجھ مین نہین آتا۔ دل نادان کی بیتابیون نے اِدھر یہ حالت کر رکھی ہے کہ جب جوش آجاتا ہے گریبان پر ہاتھ پڑ جاتا ہے۔ اور بے دھجیان اُڑائے نہین رہتا۔ ہم نے اپنی بیتابانہ شورشون کا ہدف اسی گریبان کو بنا رکھا ہے۔ کسی کی پیاری صورت دیکھی اور گریبان نوچ ڈالا۔ کسی کی چشم فتان کا سامنا ہوا اور گریبان کا ایک تار نہ باقی رکھا۔ کوئی شعر اچھا معلوم ہوا اور ہاتھ گریبان پر جا پڑا۔ کوئی پرانی صحبت بہم یاد آئی اور گریبان کو لے ڈالا۔ کسی کی پرسوز و گداز آواز کان مین آئی۔ اور گریبان کے سر ہو گئے۔ اور کسی کے چھڑون کی جھنکار کان تک پہونچی اور گریبان کے پیچھے پڑ گئے۔ مختصر یہ کہ جس چیز کو جی چاہا اور اُس پر قابو نہ چلا تو ہم ناکامی کا سارا بغض گریبان ہی پر نکال ڈالتے ہین۔ کیونکہ جب اور کسی پر زور نہ چلے تو اپنے گریبان پر خوب زور چل جاتا ہے۔ گریبان از خود رفتگان عشق اور بیخودان ذوق کے عالم مین دل کی بھڑاس نکالنے کا ایک ذریعہ بنا ہوا ہے۔ اور اُسے چاک کر کے ہم اپنے حسرت نصیب دل کو تسکین دیا کرتے ہین۔

گریبان کی طرح لباس کے بعض اور حصون کو بھی امتیاز اور شہرت حاصل ہے۔ ٹوپی اور پگڑی اعلیٰ ترین حصۂ جسم سے تعلق رکھتے ہین۔ اور اُسی مناسبت سے اُن کی قدر و منزلت بھی بڑھی ہوئی ہے۔ اگلے دربارون مین بادشاہون اور عالی مرتبہ شاہزادون کی تعظیم

کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ اِن کے سامنے بغیر دستار کے کوئی نہ آئے۔ اور اگر دستار نہ ہو تو ٹوپی اُتار لے۔ پگڑی کی لاج دیہاتیون تک مین شہرت رکھتی ہے۔ اور کسی کی ٹوپی اُتار لینا اُس کی بے عزتی کرنے کے حکم مین ہے۔ شعراے رند مشرب کے بیخودان شوق بھی چاہے جناب شیخ کی دستار اُتار لین۔ یا حضرت زاہد کا عمامہ اچھال دین مگر اپنی پگڑی سنبھالتے ہی رہتے ہین۔ اسی گریبان کو بعض اور حیثیتین بھی حاصل ہین۔ ایک مظلوم مظلمہ خواہی کے جوش مین اپنا ہاتھ ناحق ناشناس ستم کیش کے گریبان مین ڈال دیتا ہے۔ اور جبتک اُس کی داد نہ ملجائے نہین چھوڑتا۔ دامن وہ ظل عاطفت ہے کہ اُس کے سایے مین قسمت کے ستائے ہوئے پناہ لیتے ہین۔ اور جس کسی کو دادرسی پر اُبھارنا ہوتا ہے اُسکا دامن پکڑ لیتے ہین۔ الغرض گریبان کی طرح اور بھی بہت سے اجزاے لباس کو نمود اور امتیاز حاصل ہے۔ مگر وہ خصوصیت و شہرت جو گریبان کو حاصل ہے کسی کو نہین نصیب۔ گریبان نے عشق و بیخودی کے عالم مین عجب قسم کی شورش پیدا کر دی ہے۔ اور شعر و سخن کی دنیا مین حیرت انگیز جوش نمایان کر رکھا ہے۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ اس نے شعرا کے کلام مین بیقراری کی ایک نئی روح پھونک دی ہے۔

لیکن بیقراران شوق کی حالت کا اندازہ کیجیے تو اس کا پتہ لگانا دشوار ہے کہ شعرا یا عشاق خستہ جگر کو گریبان سے اُنس و محبت ہے یا دشمنی و عداوت۔ جس بے رحمی و بے دردی سے وہ گریبان کو پھاڑتے اور اُس کی دھجیان اُڑایا کرتے ہین اُس سے تو خیال ہوتا ہے کہ اُنھین گریبان سے قطعی عداوت ہے۔ مگر اسکے ساتھ یہ بھی نظر آتا ہے کہ ہر وقت اُسے کلیجے سے لگائے رہتے ہین۔ اور بیخودی کے جوش مین اگر سو بار پھاڑتے ہین۔ تو اتنی ہی دفعہ بیٹھ کے اُس مین رفو بھی کیا کرتے ہین۔ چنانچہ ایک اگلا بیقرار عشق اپنی بیتابیون کے اظہار کے ساتھ گریبان سے ہمدردی کرتا اور کہتا ہے۔

از پنجۂ من چاک گریبان گلہ دارد وز گریۂ من گوشۂ دامان گلہ دارد

شعرا کی حس بڑھی ہوئی ہے۔ اور چونکہ خیال آرائیون کے عادی ہوتے ہین اسلیے ہر چیز کے مختلف جہات اُن پر مختلف قسم کا اثر کرتے ہین۔ گریبان سے اُنھین یہ تو فائدہ پہونچتا ہے کہ جب آتش دروُنی کا جوش ہوتا ہے اور شوق کی حسد تین دل

مین اُس پر گھبراہٹ پیدا کرتی ہین تو اُس پر ہاتھ صاف کر کے غم و غصہ سے پیچھا چھڑاتے اور دم بھر کے لیے دل کو تسکین دے لیتے ہین۔ اس جہت سے گریبان اُنھین نہایت عزیز ہے۔ کیونکہ غم غلط کرنے اور دل کا اُبال نکال ڈالنے کے لیے اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہین مل سکتا۔ اور اسی لیے اُس مین بار بار رفو کرتے ہین کہ جوش دل نکالنے کا جو ایک ذریعہ ہاتھ آگیا ہے ہاتھ سے نہ جاتا رہے۔ مگر اس کے مقابل اُنھین یہ بھی نظر آتا ہے کہ گریبان ایک آہنی طوق و سلاسل کی طرح گلوگیر ہے۔ اور آزادی مین بھی قید کی شان دکھا رہا ہے۔ اس خیال سے اُنھین اس کی صورت بُری معلوم ہوتی ہے اور جو ہاتھ دل کی بھڑاس نکالنے کے خیال سے گریبان چاک کرنے کو اُٹھتا ہے اس مین اس قید و اسیری کے وہم سے اور زیادہ قوت آجاتی ہے۔

اِنھین متضاد مختلف جہتون کو پیش نظر رکھ کے غالب مرحوم نے کیا ہی خوب فرمایا ہے۔

ہاے اُس چارگرہ کپڑے کی قسمت غالب جس کی قسمت مین ہو عاشق کا گریبان ہونا

یہ شعر پڑھ کے نہ اسی بات کا پورا پورا اطمینان ہوتا ہے کہ غالب کے خیال مین عاشق کا گریبان ایک قابل رشک چیز ہے۔ اور نہ یہی بات دل پر جمتی ہے کہ وہ گریبان عاشق کو نہایت ہی بدنصیب تصور کرتے ہین۔ کیونکہ اُن کے اس شعر کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ”اُس چارگرہ کپڑے کی جو عاشق کے گریبان مین لگا ہو کیا اچھی قسمت ہے!“ اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہین کہ ”ہاے اُس کپڑے کی قسمت کیسی پھوٹ گئی!“ خیر وہ چارگرہ کپڑا چاہے خوش نصیب ہو یا بدنصیب لیکن اس مین شک نہین کہ ہے عجب چیز۔ جسے جب رفو کر چکتے ہین تو جی چاہتا ہے کہ پھاڑ ڈالین۔ اور جب پھاڑ چکتے ہین تو جی مین آتی ہے کہ پھر بیٹھ کے رفو کرین۔

گریبان کی قدر و منزلت کے ثبوت مین ایک معقول شرعی توجیہ بھی کی جا سکتی ہے۔ خداوند جل و علا اپنے کلام پاک مین فرماتا ہے ”نحنُ اَقربُ اِلیهِ مِن حبلِ الورید“ع جس سے یہ سمجھا گیا کہ ذات باری تعالیٰ رگ گردن کے پاس ہی ہے۔ اسی بنیاد پر

ع یہ قرآن پاک کی آیت ہے۔ ترجمہ یہ کہ ”اُس کے (انسان کے) گلے کی رگ کو اُس سے جو قربت حاصل ہے ہم اس سے بھی زیادہ اُس کے قریب ہین“

آتش مرحوم فرما گئے ہین۔

یقین ہے اٹکے گی جان اپنی آ کے گردن مین
سُنا ہے جا ہے قریب رگِ گلو تیری

رگ گلو سے نور الٰہی کی قربت مان لینے کے بعد یہ خیال کیجیے کہ جس "حبل درید" گلو سے اُس حضرت رب العزت کو قربت ہے اُس سے اس خوش نصیب حصۂ لباس (گریبان) کو سب سے زیادہ قرب اور خاص قسم کا تعلق ہے۔ بلکہ یون کہنا چاہیے کہ گریبان ہمیشہ اور ہر وقت اُس معشوق حقیقی کے شوق وصال مین رگ گردن کو اپنے سراپا شوق آغوش مین لیے رہتا ہے اور ایک گھڑی کے لیے بھی اُس سے جُدا ہونا نہین پسند کرتا۔

لیکن یہ توجیہ صرف اس لیے ہے کہ دینداروں کو اُس سے ایک قسم کا دینی اطمینان دلایا جائے۔ یا صافی مشرب صوفی اس پاکبازانہ خیال آرائی کو سن کے وجد مین آجائے۔ مگر اس سے یہ معمہ نہین حل ہوتا کہ عاشقون اور رندان آزاد مشرب کو گریبان سے اُنس ہے یا نفرت۔ دوستی ہے یا دشمنی۔ کیونکہ گریبان کا ذوجہتین ہونا۔ اور محبت و عداوت کے دونون پہلوؤن کو لیے رہنا اس دیندارانہ توجیہ مین بھی موجود ہے۔

یہ پہلا محبت و اُنس کا رُخ تو ظاہر ہے کہ گریبان ایک عاشق بیتاب کی طرح اُس حبل درید (رگ گلو) کو اپنے آغوش شوق مین لیے ہوئے ہے۔ اور کسی سراپا جوش اور مدتون کے ترسے ہوئے عاشق حرمان نصیب کی طرح اُسے بھینچ بھینچ کے گلے لگاتا اور ایک دم کے لیے بھی سینہ سے جدا نہین ہونے دیتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ اس کے مخالف پہلو پر نظر ڈالنے والے کو یہ بھی نظر آ رہا ہے کہ مقرب بارگاہ الٰہی رگ گلو کے حق مین گریبان پھانسی کا پھندا بنا ہوا ہے اور گویا اس کوشش مین ہے کہ اُسے گھونٹ کے رکھ دے۔ اُس کی صورت ہی سے یہ دونون پہلو نمایان ہین۔ وہ ہلال عید بھی ہے۔ اور خنجر بُران بھی۔ وہ کسی نازآفرین کی ابروی خمدار بھی ہے۔ اور کسی خونخوار کی شمشیر آبدار بھی۔

الغرض اس دینی توجیہ کرنے والون کی صحبت مین بھی اس کے وہ دونون رُخ موجود ہین جو شعر و سخن اور رندمشربی کے عالم مین نظر آتے تھے۔ لہٰذا کوئی شکایت کا محل نہین اگر شعرا کی طرح دوسرے لوگ بھی کبھی اس کی تعریف کرین۔ اور کبھی اُسے کوسین۔ کبھی اُسے گلے سے لگائین۔ اور کبھی نوچ کے پھینکدین

مامون رشید اور مساحت کرۂ ارض

مولانا حالی نے اپنے مسدس مین جہان مسلمانون کی علمی ترقیون کو دکھایا ہے وہان علم ہیئت کے متعلق اپنے ایک بند مین فرماتے ہین۔

وہ سنجار کا اور کوفہ کا میدان — فراہم ہوئے جسمین مساح دوران
کرہ کی مساحت کے پھیلائے سامان — ہوئی جزو سے قدر کل کی نمایان
زمانہ وہان آج تک نوحہ گر ہے
کہ عبّاسیون کی سبھا وہ کدھر ہے

اگرچہ فٹ نوٹ مین اُنھون نے اس واقعہ کا اجمالی ذکر بھی کر دیا ہے۔ مگر اُس سے اس بات کا پتہ نہین چلتا کہ یہ مساحت کس طرح کی گئی تھی۔ اِس کی صحت پر مامون یا اَور لوگون کو کیونکر اطمینان ہوا تھا اور حسب بیان مولانا حالی۔ جزء سے کل کی قدر کیونکر نمایان ہوئی تھی۔ شاید غیر موزون نہوگا اگر ہم دلگداز کے صفحات پر اس واقعہ کو زیادہ توضیح کے ساتھ بتا دین۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ علم ہیأت کی اس تحقیق پر جب مامون کی نظر پڑی کہ کرۂ زمین کا دَوْر چوبیس ہزار میل کا ہے تو اُسے حیرت ہوئی اور کہا بھلا زمین کو کسی نے کیونکر ناپا ہوگا؟ اور اس بات کا صحیح طور پر کیسے پتہ چل سکتا ہے کہ ساری زمین کا دَور اِتنا ہے۔ علم ہیأت کے سب سے بڑے ماہر اُن دنون محمد اور احمد۔ اور حسین نام تین^{عـــہ} بھائی تھے جو موسیٰ بن شاکر کے بیٹے تھے۔ اور علوم ریاضی مین کمال رکھتے تھے۔ مامون نے اُن سے پوچھا کہ وہ یہ جو زمین کے دَور کی مقدار بتائی جاتی ہے یقینی ہے۔ یا فقط وہم وگمان سے کہہ دیا گیا ہے"؟ اُنھون نے کہا "یہ بالکل یقینی ہے اور شک وشبہہ کو اس مین ذرا بھی گنجایش نہین" مامون نے کہا "اگر یقینی ہے تو مجھے اطمینان دلا دو" اُنھون نے اس کی ذمہ داری کی۔ اور کہا "ہمین یہ معلوم ہونا چاہیے کہ کون سی سر زمین زیادہ

عـــہ مولانا حالی نے موسیٰ کے چار بیٹے بتائے ہین۔ مگر ابو الفدا اور ابن خلکان مین ہم نے تین ہی بیٹون کا ذکر پایا۔ اور غالباً یہی صحیح بھی ہوگا۔

مسطح ہے۔ جسمین پہاڑ اور ٹیلے۔ اور زیادہ نشیب و فراز نہ ہون" چنانچہ ماموں کے حکم سے اسکا پتہ لگا کے لوگون نے بتایا کہ ایسے لق و دق اور مسطح میدان صرف دو جگہ ہین ایک تو دشت سنجار اور دوسرا صحرا سے کوفہ جہان کوسون اور منزلون تک کف دست میدان چلا گیا ہے۔ ان میدانون کا پتہ لگانے کے بعد تینون بھائیون نے ماموں کے چند معتمد علیہ ندیمون کو ساتھ لیا۔ اور دشت سنجار کی طرف روانہ ہوئے۔

وہان پہونچ کے ایک جگہ انھون نے قطب شمالی کی بلندی کو آلات ہندسی سے ناپا۔ اور وہان ایک کیل گاڑ دی۔ پھر اُس کیل مین ایک رسی باندھی اور اسے لیکے ٹھیک شمال کیطرف چلے۔ اور اس کی احتیاط رکھی کہ داہنی بائین جانب ذرا بھی نہ ہٹین۔ جب رسی ختم ہوگئی تو ایک اور کیل گاڑ کے رسی اُسمین باندھ دی۔ اور پھر دوسری رسی اُس مین باندھ کے آگے بڑھے۔ جب یہ رسی بھی ختم ہوگئی تو تیسری کیل گاڑ کے تیسری رسی شروع کی۔ اسی طرح برابر کیلین گاڑتے۔ اور رسیون کو باندھتے اور پھیلاتے کوسون تک چلے گئے۔ اور راستہ مین برابر ناپ کے دیکھتے جاتے تھے کہ قطب کا ارتفاع گھٹا بڑھا تو نہین۔ یہان تک کہ ایک مقام پر پہونچ کے پیمایش کی تو معلوم ہوا کہ قطب کی بلندی ایک درجہ بڑھ گئی۔ یہ دیکھتے ہی وہان ٹھہر گئے۔ اور یہان سے وہان تک جہان پہلی کیل گاڑی تھی ناپا تو ۶۶ ۲/۳ میل کی مسافت نکلی۔ اور اندازہ کیا کہ آسمان کا ہر ایک درجہ زمین پر ۶۶ ۲/۳ میل کے برابر ہوتا ہے۔ اسکے بعد اُس مقام پر واپس آئے جہان پہلی کیل گاڑی تھی۔ اور اب اُسی طرح کیلین گاڑتے اور رسیان باندھتے اور پھیلاتے ہوئے سیدھے جنوب کی طرف چلے۔ جس جگہ پر پہونچ کے نظر آیا کہ قطب شمالی کی بلندی ایک درجہ گھٹ گئی وہان سے ٹھہر کے پوری مسافت کو ناپا تو وہی ۶۶ ۲/۳ میل تھی۔

یہ امر پہلے ہی سے ثابت تھا کہ آسمان بارہ برجون پر اور ہر برج ۳۰ درجون پر تقسیم کیا گیا ہے۔ لہذا آسمان کا پورا دورہ ۳۶۰ درجون کا ہے اور اُس کے مقابل زمین پر جب ہر درجہ کے محاذی ۶۶ ۲/۳ میل کی مسافت ثابت ہوئی تو ۳۶۰ کو ۶۶ ۲/۳ سے ضرب دینے سے ثابت ہوگیا کہ زمین کا پورا دور چوبیس ہزار میل کا ہے۔

جب ان تینون بھائیون نے سنجار سے واپس آکے یہ کیفیت ماموں سے

بیان کی تو وہ بہت خوش ہوا اور کہا بیشک اس سے اطمینان ہو جاتا ہے مگر مزید اطمینان کے لیے ضرور ہے کہ کسی اور جگہ بھی اس کی آزمائش کی جائے۔ چنانچہ اب یہ تینون بھائی بغداد سے کوفہ کو روانہ ہوئے۔ اور وہان کے صحراے لق و دق مین بھی اسی طریقہ سے کیلین گاڑ گاڑ کے اور اُن مین رسیان باندھ باندھ کے پتہ لگایا کہ ہر درجۂ فلک کی مسافت زمین پر ۶۶ ⅔ میل کی ہے۔

یہ کیفیت علامہ بن خلکان نے بیان کی ہے۔ مگر ابوالفدا نے اِس پورے واقعہ کو نقل کر کے لکھا ہے کہ ابن خلکان اور دیگر مورخین نے جو یہ لکھدیا کہ مامون کے عہد کی تحقیقات سے ہر درجہ فلک کی مسافت زمین پر ۶۶ ⅔ میل ثابت ہوئی تھی غلط ہے یہ یونانیون کی قدیم تحقیقات تھی۔ مامون کے حکم سے جب اس کے عہد کے مہندسون نے پیمایش کی تو ہر درجۂ فلک زمین کے ۵۶ میل کے مساوی ثابت ہوا۔ جو امر کہ ازمنۂ مابعد مین محقق اور طے شدہ تسلیم کر لیا گیا۔

شہر پالرمو کا دخمہ

پالرمو جزیرۂ صقلیہ (سسلی) کا مستقر حکومت اور دارالسلطنت ہے۔ اس جزیرے پر کبھی مسلمانون کا قبضہ تھا اور اس کے ہر گلی کوچہ مین دن بھر مین پانچ بار توحید کا نعرۂ "اللہ اکبر" بلند ہوا کرتا تھا۔ جس کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ جب ابن جبیر اندلسی اپنے سفر حج کے وقت اس جزیرے مین ہو کے گذرا تو اُسے ہر ہر قدم پر مسجدین نظر آئین۔ مسلمان کثرت سے یہان آباد ہو گئے تھے۔ اور صدہا عربی خاندانون نے اِس جزیرے کو اپنا موطن و مسکن بنا لیا تھا۔ انقلاب زمانہ سے چندروز بعد پھر مسیحیت کا غلبہ ہوا۔ اور عنان حکومت عیسائیون کے ہاتھ مین گئی۔ جو ساری دنیا کو متعصب بتا کے اپنی بے تعصبی کے قصائد خود ہی پڑھتے اور خود ہی داد دے لیا کرتے ہین۔ اور تمام دیگر مذاہب کو اِن ٹالریٹ (غیر بُردبار) بتا کے اپنے ٹالرنس (بردباری) کی مدح سرائی کیا کرتے ہین۔ حالانکہ تجربہ یہ بتا رہا ہے کہ اگلے دنون اُن سے زیادہ غیر بُردبار کوئی قوم نہ تھی۔ چنانچہ صقلیہ مین بھی عیسائیون کا عمل ہوتے ہی ساری سرزمین

موحد خدا پرستون سے خالی ہوگئی۔جن مسجدون سے اذان کی آواز بلند ہوا کرتی تھی
آج بھی موجود ہین مگر خاموش سنسان اور قریب الانہدام۔سیاحون کو آج بھی شہر
پالرمو مین جو چیز قابل توجہ نظر آتی ہے وہ اسلامی عمارتون کے کھنڈر اور اُن کے
عربی کتبہ ہین۔

مگر مسیحیت نے بھی یہان دو نہایت ہی انوکھی عبرتناک اور قابل دید چیزین
قائم کر دی ہین۔ایک تو یہان کا پاگلخانہ۔جو ساری دنیا کے پاگل خانون مین ممتاز
بتایا جاتا ہے۔اور دوسرا یہان کا دخمہ۔جس کی کیفیت بیان کرنے کے لیے ہم نے
اِسوقت قلم ہاتھ مین لیا ہے۔

دخمہ دراصل اُس محصور مقام کو کہتے ہین جس مین انسانون کی لاشین لے جا کے رکھدی
جاتی ہون۔دخمہ کا رواج عمومًا پارسیون یعنی مذہب زرتشت کے پیرودن مین ہے۔
جن کے دخمے ہندوستان کے اکثر شہرون اور خاصۃً بمبئی مین موجود ہین۔اُن کا دخمہ
ایک مضبوط اور بہت بلند دیوار کا مدوّر احاطہ ہوتا ہے۔جس کے بیچون بیچ مین ایک
کنُوان ہوتا ہے۔اور اُس کے گرد کی ڈھالو زمین پر قبرنا پست چبوترون کا ایک
پائیں حلقہ ہوتے ہین۔اور انھین چبوترون پر لاشین لے جا کے رکھ دی جاتی
ہین۔جن کو اگر مُردار خوار طیور پہونچ گئے تو نوچ کے کھا جاتے ہین۔ورنہ سڑتی
یا مدتون تک پڑی سوکھا کرتی ہین۔اور خشک اور برہنہ ہڈیان ایک مدت کے بعد
اُسی درمیانی کنوین مین ڈال دی جاتی ہین۔پارسیون کے دخمے کے اندر سوا
اُن خاص لوگون کے جو دخمہ داری کے انجارج ہین اور کوئی شخص چاہے کیسی
ہی کوشش کرے اور کتنا ہی بڑا معزز صاحب اثر ہو نہین جا سکتا۔اور درحقیقت
وہ جانے کے قابل مقام کبھی نہین ہے۔

لیکن پالرمو کا مسیحی دخمہ بالکل مختلف چیز ہے۔یہ ایک عظیم الشان سرداب
یا تہ خانہ ہے جسمین ہر قسم کے مقدسون اور معززون کی لاشین محفوظ رکھی جاتی ہین۔اور
سیاحون کو اُسکی سیر کا موقع مل سکتا ہے۔قرون وسطیٰ مین مسیحیون مین جب صلیب
پرستی کا جوش ہوا تو اصلی صلیب کے نام سے لکڑی کے صدہا ٹکڑے جو مقدس مقتداؤن
کی معرفت دستیاب ہوئے ہر شہر اور ہر قریہ مین پہنچنے لگے۔اور اِسی کے ساتھ یہ خیال

بھی پیدا ہوا کہ مقدس و محترم لوگون اور دین کی حمایت مین جان دینے والے شہیدون کی ہڈیان ذریعۂ برکت سمجھ کے تعظیم و تکریم سے محفوظ رکھی جائین۔ اور آخر مین صلیب کی طرح اُن ہڈیون کی بھی ہر جگہ پرستش ہونے لگی۔ اِس ذوق نے اکثر جگہ اور خاصۃً رومتہ الکبریٰ اور اٹلی مین مقتدایان دین کی ہڈیون کے ڈھانچون۔ اور بزرگان سلف کے عظام رمیم کے بہت سے خزانے قائم کرا دیے۔ جو آج تک موجود ہین۔ اور اُن مین بہت سے پرانے مشہور راہبون اور شہیدون کی ہڈیان محفوظ ہین۔

غالباً بزرگون کی ہڈیون کے بہ طور تبرک محفوظ رکھنے کے خیال ہی نے پالرمو کا یہ دخمہ قائم کرا دیا ہے۔ جس مین آج تک نامورانِ قوم اور مقدس لوگون کی لاشین لے جا کے حفاظت سے رکھی جاتی ہین۔ لنڈن کے وسٹ منسٹر ایبی مین نامورانِ قوم کی ہڈیان زیر زمین دفن ہین۔ اور سیاح کو صرف اُن کی قبرین اور مورتین نظر آسکتی ہین۔ مگر یہان پالرمو کے دخمے مین انسان خود اُن کے پوست واستخوان کو عبرت و مرعوبیت کی نگاہون سے دیکھتا۔ اور ایک دفعہ سیر کر لینے کے بعد مہینون تک خواب مین چونک چونک اُٹھا کرتا ہے۔ لیکن اُسکے معائنہ سے چاہے دل پر ایک ہیبت ناک اثر پڑے مگر ہمین امید ہے کہ اُس کا بیان دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

یہ دخمہ ایک عظیم الشان خانقاہ کے متعلق ہے جو "مانسٹری آف دی کاپوشنس" کہلاتی ہے۔ آپ جیسے ہی یہان پہونچین گے چند راہب جن کی سفید ڈاڑھیون۔ اور ٹاٹ کے لمبے لمبے جبّون پر ایک بڑا تقدس برس رہا ہوگا آپ کو اخلاق و فروتنی کے ساتھ ہاتھون ہاتھ لین گے۔ اس خانقاہ والون کی عام وضع کے مطابق اُنکی کمرون مین رسّیان بندھی ہونگی۔ وہ آپ کو لیجا کے عبادت گاہون اور ریاضت کرنے کے حجرونکی سیر کرائین گے۔ اور اگر آپ نے خواہش کی تو دخمہ۔ یعنی استخوان ہائے رمیم کے خزانۂ عظیم کی بھی سیر کرا دین گے۔ سرداب اور تہ خانے کا دروازہ کھلتے ہی آپ کو ایک طولانی زینہ ملے گا جو تین گنبدون کے نیچے بڑے بڑے رُواقون کے اندر ہی اندر دُور تک چلا گیا ہے۔ ان تینون رواقون کے بلند ترین حصون مین تین کھڑکیان روشن دانون کی وضع سے کھلی ہوئی ہین۔ اور اُن سے یہان کی خموشی مین ایک دھندلی روشنی پہونچتی رہتی ہے۔ یہ ایک ایسا مہیب منظر ہے کہ انسان کو اس سے پہلے دنیا مین کہین نہ نظر آیا

ہوگا - دونون جانب دیوارون مین پتلے پتلے برگیشون کی قطارین چلی گئی ہین جن مین راہبون کی خشک لاشین اپنے مقتدائی کے لباس مین لمبے لمبے جُبّے پہنے لٹک رہی ہین یہ لاشین آگے کی طرف جھکی ہوئی ہین اور دیکھنے والون کے دل پر اُن کی اس وضع سے یہ دہشت طاری ہوتی ہے کہ کہین ایسا نہو یہ ہم پر آ پڑین - اُن کے ہاتھ یا تو صلیبی وضع سے سینے پر رکھے ہوئے ہین یا دونون پہلوؤن پر لٹک رہے ہین - اُن کے چہرے امتداد زمانہ سے سیاہ اور سوکھ کے کھنکر ہو گئے ہین - اور ان کی بگڑی صورتون سے کسی تقدس کا اثر پڑنے کے بجائے انسان کو معلوم ہوتا ہے کہ گویا ہم بھوتون کے نرغے مین پھنسے ہوئے ہین - خشک اور روکھے بال جن کی رنگت زیادہ بھوری ہو گئی ہے خاک آلودہ کھوپریون پر لگے ہوئے ہین - منھ کھلے ہوئے ہین - اور دانت (جو کسی لاش مین پورے ہین کسی مین کم ہین اور کسی مین نہین ہین اور امتداد زمانہ سے میلے ہو گئے ہین) نکلے ہوئے ہین - ناکین سکڑ کے رہ گئی ہین - اور نہایت پچکے ہوئے گال جا بجا سے چیخ گئے ہین - اور ان سب کی مجموعی حالت سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ بیجان لاشین نہین بلکہ ایسے جاندار ہین جن پر طاعون کا عذاب نازل ہوا ہے - ہر ایک کے دامن مین ایک کاغذ کا پُرزا الپین سے اٹکایا ہوا ہے جس مین اُس کا نام - عمر - اور تاریخ وفات لکھی ہوئی ہے -

نیچے زمین پر ایسے صندوقون کی تین چار قطارین چلی گئی ہین جن پر مٹے مٹے نقش و نگار بنے ہوئے ہین اِن صندوقون مین امرائے صقلیہ کی لاشین بند ہین - ایک لمبے مچان پر تقریباً سو بچے جن کی عمرین ایک سال سے پانچ سال تک کی ہون گی نہایت ہی زرق برق لباس پہنے ننھی ننھی کرسیون پر بیٹھے ہوئے ہین - اُن کی کرسیان وہی ہین جن پر وہ اپنی زندگی مین بیٹھتے یا بٹھائے جاتے تھے - اُنکے سرون پر جو خشکی سے سیاہ پڑ گئے ہین نہایت ہی پُر تکلف ٹوپیان ہین - اور ہاتھون مین کھلونے - اور دو ایک بچون کے ساتھ یہ تکلف بھی کیا گیا ہے کہ کوئی بھُس بھرا ہوا کتا - یا توتا - اُن کی گود مین بٹھا دیا گیا ہے - اس سے زیادہ بھیانک مضحکہ خیزی کا کرشمہ دنیا بھر مین شاید کہین نہ نظر آئے گا کہ ایسے ننھے ننھے بچے ہین جن کا لباس تو بہت ہی زرق برق ہے مگر چہرے مُرجھا کے سوکھ گئے ہین جنھین اُس لباس سے کوئی نسبت نہین - اِن بچون مین سے

ایک کا ایک ہاتھ ڈوری سے باندھ کے اونچا کر دیا گیا ہے - جس مین کوڑا ہے اور گویا بچپن کے کھیل مین وہ کوڑا پھٹکار رہا ہے - لیکن اس کے ساتھ ہی گھٹنا اور گلا ہوا سر لٹک کے سینہ پر آ گیا ہے - چمڑے کی خوبصورت ٹوپی سر سے اُتر کے الگ جا پڑی ہے - اور بے بالوں کی سفید سفید چندیا کھل گئی ہے -

اس قسم کے کئی گلیارے چلے گئے ہین - جن مین امرا کی لاشون کے تابوتون پر راہبون اور پادریون کی لاشین اپنے تقدس مآبی کے کپڑے پہنے ہوے کھڑی ہین - اور مچانون پر چھوٹے چھوٹے بچے نئی نئی ترتیبون سے بٹھائے گئے ہین -

اس دخمہ مین مقتداؤن اور سب طرح کے لوگون کی کچھ اوپر تین ہزار لاشین رکھی ہین جنمین سے چند بہت ہی پرانی ہین - ان مین سے ایک ڈیڑھ سو برس سے زیادہ پرانی ہے جسکی زبان جو سوکھ کے کانٹا ہو گئی ہے باہر نکل پڑی ہے - اُسے پکڑ کے ہلائیے تو معلوم ہوتا ہے کہ گویا کوئی سوکھی ہوئی مچھلی یا نہایت ہی سخت اور چمڑا ناخن ہے -

آخری گلیارے کے آخر مین ایک اور رواق نظر آتا ہے جو عورتون کی لاشون کے لیے مخصوص ہے - ایک شخص کو جس نے تیس چالیس برس ہوے اس دخمہ کی سیر کی تھی ایسی عورتون کی لاشین نظر آئین جنکو مرے ایک ہی سال ہوا تھا - یہ سفید توشکون کے اوپر تکیون پر سر رکھے مختلف وضعون مین لیٹی ہوئی آرام کر رہی تھین - انھین مین ایک بہت ہی نوعمر بالرمو کے ایک معزز گھرانے کی لڑکی تھی - جس کی نسبت کاغذ کے پُرزے مین لکھا تھا کہ "سترہ برس کی عمر مین کنواری دنیا سے رخصت ہوئی" جو راہب اُسے اس دخمے کی زیارت کرا رہا تھا اُس نے بتایا کہ "یہ دو بہنین تھین جو توام پیدا ہوئین - ایک تو یہ ہے اور دوسری اس زمانہ مین شہر پالرمو کی حسین ترین عورت سمجھی جاتی ہے - جس کا حسن وجمال مین دُور دور تک جواب نہین - یہ نوعمر حسینہ ایک چھوٹے تخت پر جو تارون مین بندھا ہوا ہے چت لیٹی تھی - سفید کپڑے زیب بدن تھے - اور مصنوعی پھولون کا ایک بڑا گلدستہ اُس کے سینے پر رکھا ہوا تھا - اُس کا چہرہ اور ہاتھ کھلے ہوے تھے - اور گو نرم جلد پر خشک ہونے کا گمان نہین ہو سکتا تھا - مگر چھوٹی سیاہ چونٹیان لپٹی ہوئی تھین - سیاح نے اُس کے تختے پر ٹھوکری ماری - اور اس تحریک کے ساتھ ہی منھ اور نتھنون سے

صد ہا چونٹیان نکل پڑین۔“ افسوس! جس حُسن وجمال کے عشق مین ہم اپنی جانین نذر کردیا کرتے ہین اُس کا یہ انجام کس قدر عبرتناک اور دلخراش ہے!

اُسی سیّاح کا بیان ہے کہ واپسی مین جب ہم زینے کی طرف چلے تو زیارت کرنیوالے راہب نے ہمین نیچے والے مچان کو دکھا کے بتایا کہ جو نئی لاشین آتی ہین وہ ابتدائی چھ مہینہ تک اسی پر رکھی رہتی ہین۔ اور ہفتہ دو ہفتہ تک اُن کی تعفن کسی طرح برداشت نہین کی جاسکتی۔ اُن کے خشک کرنے کے تدابیر کیے جاتے ہین۔ اور جب بالکل خشک ہولیتی ہین تو درجے۔ حالت۔ اور ذات کے لحاظ سے اپنے مقام پہونچا دی جاتی ہین۔

رسّی کی ایک الگنی اِن گلیارون کے بیچون بیچ مین چارون طرف بندھتی چلی گئی ہے۔ راہبون اور مقتداؤن کی لاشین اُس مین باندھ کے تختہ پہ کھڑی کردی جاتی ہین۔ اور جب تک اُن کی ہڈیان گل کے جُدا جدا نہ ہو جائین وہین کھڑی رہتی ہین بعض اوقات یہ لاشین سو برس تک کھڑی رہتی ہین۔

اس سیّاح کا یہ بھی بیان ہے کہ جب ہم سیر کر کے زینہ کے اوپر چڑھ آئے اور زیارت کرانے والے راہبون کا شکریہ ادا کر کے رخصت ہونے کو تھے کہ چند اور راہب ایک بوچے* کو کندھے پر اُٹھائے ہوئے لے آئے جس کی کھڑکیاں بند تھین۔ زیارت کرانے والا راہب ہمین واپس بُلا کے اُس بوچے کے پاس لے گیا۔ اور اُس کی کھڑکی کھول دی۔ ہمین اس کے اندر ایک سفید بالون والی بوڑھی عورت کی لاش نظر آئی جو اُس کے اندر پُشت کی جانب دو کڑیون مین رسیّون سے باندھ کے بٹھا دی گئی تھی۔ رسّی کا ایک پھندا اُس کے سینہ کے پاس تھا۔ اور دوسرا اُس کے گلے مین۔ اسی دن صبح کے وقت اُس کا دم نکلا تھا۔ اور یہان اس لیے لائی گئی تھی کہ سُکھا کے اس دخمہ مین رکھی جائے۔ اُس کو نہایت پُر تکلف ریشمی کپڑے پہنائے گئے تھے۔ اور سر پر ایک عمدہ ٹوپی تھی۔ جس لباس مین ایک بوڑھیا کی لاش دیکھ کے دل پر عجیب قسم کا اثر پڑتا تھا۔

* بند گاڑی کی قسم کی ایک سواری جس مین فنس کی طرح آگے پیچھے دو بانس لگے ہوتے ہین۔ اور اُسے کہار اُٹھا کے لے چلتے ہین۔

اس دخمہ کی کیفیت سننے سے معلوم ہوتا ہے کہ ممی بنانے اور لاشون کے محفوظ رکھنے کا پرانا طریقہ جس کا فراعنۂ مصر مین رواج تھا مصر قدیم کے لوگون پر ختم نہین ہو گیا بلکہ مسیحیون کی استخوان پرستی کی بدولت آج تک جاری ہے۔ اور اب بھی بہت سی لاشین مختلف تدابیر سے خشک کر کے محفوظ رکھی جاتی ہین۔

نئی اشاعتون پر ریویو

مسدس حالی - (مد و جزر اسلام) مصنفہ شمس العلما مولانا حالیؔ - اس مسدس نے جیسی مقبولیت حاصل کی - اور مسلمانون پر اس کا جیسا اثر ہوا محتاج بیان نہین - اسی نظم اور اسی قومی مرثیہ مین یہ خوبی ہے کہ دو سو دفعہ پڑھ جایئے اور جی یہی چاہتا ہے کہ پھر پڑھیے طبیعت نہین سیر ہوتی - اس کی معجزنما مقبولیت عامہ کا آخری نمونہ یہ ہے کہ مولوی رحمۃ اللہ صاحب رعدؔ نے جو فن طبع کے مسلم الثبوت اور بے بدل اُستاد مانے جاتے ہین اپنے چھپائی کے کمالات دکھانے کیلیے اسے منتخب کیا - اور ایک پاکٹ ایڈیشن شایع کیا ہے - جسکا پیمانہ انگریزی درسی کتابون کی طرح چھوٹا اور نہایت خوبصورت ہے - لوح کی سادی خوشنما بیل مین سرخ لاجوردی اور طلائی رنگون سے سادگی مین بناوٹ اور بناوٹ مین سادگی کی شان پیدا کی گئی ہے - کاغذ نہایت ہی اعلی درجہ کا ولایتی گندہ اور چکنا لگایا گیا ہے - فہرست کے بعد اول مین مولنا حالیؔ کی تصویر ہے - جس سے متانت - تہذیب اور غور و خوض کے جذبات ظاہر ہو رہے ہین - مسدس مین اکثر جگہ تاریخ اسلام کے سلسلہ مین مختلف بلاد و امصار کے نام آ گئے ہین جو آجکل کے نقشون مین نہین ملتے - اور جن سے آج کل کے جغرافیہ دان غیر مانوس رہتے ہین - اس دشواری کے دور کرنیکے لیے حضرت رعدؔ نے تین قدیم نقشہ بڑے اہتمام سے تیار کر کے اضافہ کیے ہین - ایک عرب کا جسکی پیشانی پر لکھا ہے "عرب اور کل کائنات اُسکی یہ تھی" دوسرا عہد ترقی اسلام کی دنیا کے غالب حصہ کا - جس کا عنوان ہے "عرب" ہند" مصر" اندلس" شام" و دیلم" تیسرا اندلس کا جسکا ماٹو یہ ہے ہوا اندلس اُن سے گلزار یکسر" ان کے علاوہ ایک نقشہ غار حرا - اور اُس سے ماہتاب نبوت کے طلوع کرنے کا ہے - جس پر لکھا ہے "کیا چاند نے کھیت غار حرا سے" اس آخری نقشہ مین جناب رعدؔ نے شاعرانہ مصوری کا کمال دکھا دیا ہے - آخر مین مولنا

حالی کا قصیدۂ غیاثیہ ہے - اس پاکٹ ایڈیشن کی ضخامت ۱۷۶ صفحون کی ہے - اور جلد بھی انگریزی مذاق کی نہایت ہی خوبصورت - جسکی پہلی دفتی پر سُنہرے انگریزی حرفون مین لکھا ہے "مسدس حالی اُردو" خلاصہ یہ کہ اس سے زیادہ خوشنا اور دلکش - مسدس حالی کیا معنے اردو کی اور کوئی کتاب بھی کم نظر آئے گی - اور اس کے ساتھ قیمت کچھ نہین صرف عہ ۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اسکی ایک جلد منگوا کے اپنے پاس احتیاط سے رکھے - مہذب لوگون اور تعلیم یافتہ خاندانون کو چاہیے کہ بجاے بیہودہ کھلونون کے یہی مسدس منگوا کے اپنے بچون کو دین - جو آئینۂ عبرت ہونے کے ساتھ نہایت ہی خوشنا اور نظر فریب کھلونے کا کام دے سکتا ہے - درخواستین "کانپور - نامی پریس" کے پتہ پر مولوی رحمت اللہ صاحب رعد کی خدمت مین بھیجی جائین -

ادیب - اس سال کے برکات مین ماہوار رسالۂ ادیب ہے - جو نہایت ہی آب وتاب کے ساتھ انڈین پریس الہ آباد سے ہمارے دوست منشی نوبت راے صاحب نظر سابق ایڈیٹر خدنگ نظر کے اہتمام سے شایع ہونا شروع ہوا ہے - یہ رسالہ مختلف حیثیتون سے اُردو کے تمام رسالون پر فوقیت رکھتا ہے - حضرت نظر کو اعلی ذوق لٹریچر کے ساتھ چھپائی اور مصوری کے فنون مین بہت کچھ دخل ہے - چنانچہ اس رسالہ کی چھپائی کاغذ اور سب چیزین اعلی درجہ کی ہین - مگر بہتر ہو کہ ہمارے دوست کاتب کو بدل دین - اور اُردو کے مشہور انشا پردازونکو اس رسالہ کی کی طرف ابھی پوری توجہ نہین ہوئی ہے - تاہم بعض مضامین اچھے ہین جو محنت قابلیت اور تلاش سے لکھے گئے ہین - ادیب کو خاص فوقیت اس کی تصویرون کے اعتبار سے ہے اور ہمین یقین ہے کہ کوئی رسالہ اور کوئی مطبع اِس بارۂ خاص مین ادیب اور انڈین پریس کا مقابلہ نہ کرسکے گا - ہم نے خود جا کے انڈین پریس کو دیکھا جس مین ہر کام اعلی پیمانہ پر ہوتا ہے - خصوصاً تصویرون کے چھاپنے کا انتظام تو شاید ملبندی ہند کے کسی پریس مین ویسا نہ ہوگا جیسا کہ انڈین پریس مین موجود ہے - اِس وقت تک ادیب کے تین نمبر شائع ہوچکے ہین جن مین ہر ایک دوسرے سے زیادہ دلفریب و دلکش تھا - پہلے اور دوسرے نمبرون مین چھ چھ تصویرین تھین - تیسرے نمبر مین نو تصویرین شایع ہوئین - اور ہمین امید ہے کہ چوتھے نمبر مین اِس سے

بھی زیادہ ہون گی۔ آدیب کا پیمانہ بھی عام رسالون سے جدا اور خاص وضع کا ہے۔ جو طول مین ۲۰+۲۶ کے برابر اور عرض مین بہت زیادہ ہے۔ اور ان سب خوبیون کے ساتھ سالانہ قیمت صرف للعہ (چار روپیہ) ہے۔ اور فی پرچہ ۶ر اردو زبان کے شائقین کو ضرور خریدنا چاہیے۔ کیونکہ انگریزی کے سوا اُردو مین کوئی رسالہ اس آب وتاب اور اس شان کا آج تک نہین شائع ہوا تھا۔ درخواستین۔ منیجر آدیب۔ انڈین پریس الہ آباد کے پتہ پر بھیجی جائین

دیوان وحشت مولوی رضا علی صاحب وحشت کا اردو فارسی کلام۔ حضرت وحشت کی طبیعت شاعری کے لیے بہت مناسب واقع ہوئی ہے۔ کلام مین خاص رنگ اور خاص لطف ہے۔ پُرانے مذاق کے نباہنے کے ساتھ جدید رنگ کی شوخیان اور دلچسپیان بھی پیدا کرنا حضرت وحشت کا خاص رنگ ہے۔ مذاق سخن کا اندازہ کرانے کے لیے بغیر کسی انتخاب کے ہم اُن کی ایک غزل کے چند شعر پیش کیے دیتے ہین۔ فرماتے ہین۔

پرایا مال لیکر آپ نے کی بے رُخی اچھی — بغل مین لے کے دل چلتے ہوئے تھی دلگی اچھی
عیادت کے لیے بھیجا ہے میرے پاس دشمن کو — نکالی ہے دوا ظالم نے میرے درد کی اچھی
نہ الفت دوستون سے ہے نہ دشمن سے عداوت ہے — نہ اُن کی دوستی اچھی نہ اُن کی دشمنی اچھی
بلا تقصیر مجھ سے کھنچ گئے یہ بانکپن اچھا — عدو سے بے تکلف مل گئے یہ سادگی اچھی
یہ مانا ذکر دشمن کچھ محبت سے نہ تھا لیکن — دل رشک آشنا مین میرے اک چٹکی تو لی اچھی
چلا ہے سمت کعبہ بتکدے کو چھوڑ کر وحشت — نظر پڑ جائے یارب راہ مین صورت کوئی اچھی

ہمین یقین ہے کہ نقادان سخن اس دیوان کو ملاحظہ کرکے خوش ہونگے۔ چھپائی لکھائی اور کاغذ سب چیزین اچھی ہین۔ اور ضخامت ۱۴۸ صفحات کی ہے۔ قیمت فی جلد ایک روپیہ۔ درخواستین مصنف صاحب کے نام (نمبر ۱۴۹ کڑایہ روڈ۔ ڈاکخانہ بالی گنج۔ کلکتہ) کے پتہ پر جائین۔

شعر العجم

حصۂ اول و دوم۔ شمس العلما علامۂ شبلی نعمانی کی جدید اور تازہ تصنیف جس مین

فارسی شاعری کی ابتدا اُسکی عہد بعہد ترقیون - اور ان کے خصوصیات و اسباب سے مفصل بحث کی گئی ہے - اور اس کے ساتھ مشاہیر شعراے سلف کے تفصیلی حالات بھی بیان کیے گئے ہین - اور اُن کی شاعری پر تقریظ اور تنقید ہے - قیمت حسب ذیل ہے -

حصۂ اول	غیر مجلد	عما ر
حصۂ اول	مجلد	سے ر
حصۂ دوم	غیر مجلد	عہ ر
حصۂ دوم	مجلد	۶ ر

جو صاحب منگوانا چاہین "دفتر ندوۃ العلما - لکھنؤ" کے پتہ پر شمس العلما مولانا شبلی نعمانی سے مراسلت کرکے طلب فرمائین -

قدر افزایان دلگداز

آپکی توجہ وعنایت سے دلگداز کی اشاعت بڑھ رہی ہے - اور ہم کو یقین ہے کہ اگر چند روز بھی جناب کی ایسی ہی توجہ قائم رہی تو دفتر دلگداز آپ کی خدمت مین نہایت اعلی درجہ کا لٹریچر (دلچسپ اور مفید ناول اور محققانہ کتب تاریخ) پیش کر سکے گا - اس کوشش مین ہم ہمہ تن مصروف ہین - اور عنقریب اپنی ان فیاضانہ کوششون کے معاوضہ مین آپ ہمارے حسن خدمت کو بھی ملاحظہ فرمالین گے - اب پرچہ انشاء اللہ استقلال سے نکلے گا - اور وقت پر نکلے گا - سابق کے خریدارون کو توجہ فرما کے ۱۹۱۰ء کا حساب بیباق فرما دینا چاہیے - ہم نے اب یہ بھی ارادہ کرلیا ہے کہ اختتام سال پر ایک عمدہ ناول مفت خریداران دلگداز کی نذر کرینگے - اور اسکی بابت کوئی زائد رقم نہ لیجائے گی - مگر ان سب خیالات کا دار و مدار اسی پر ہے کہ ہمارے قدردان اپنے احباب کو بھی دلگداز کی قدر افزائی پر آمادہ فرماتے رہین - کیونکہ صرف کثرت اشاعت حوصلہ افزائی کر سکتی ہے -

خاکسار - منیجر دلگداز

لقمان

جو معزز و محترم اور واجب التعظیم نام مسلمانون کے اثر سے ہندوستان کے عام لٹریچر اور خاصتہً اردو کی دنیا مین آئے ہین انھین بہت ہی باوقعت نام حضرت لقمان کا ہے۔ یہ نام علمی دنیا ہی تک محدود نہین رہا بلکہ زبان زد خاص و عام ہو گیا۔ ہر شخص جب کسی کو بہت ہی بڑا عقلمند تسلیم کرتا ہے تو اُسے لقمان زمانہ کہتا ہے۔ اور جب کوئی کسی کے علمی عروج پر تعریف کرتا ہے تو کہتا ہے کہ "آپ ہی تو اپنے وقت کے بڑے لقمان ہین"

حضرت لقمان کو دیگر عقلا کے مقابلے مین یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ اُن کا نام قرآن پاک مین آگیا ہے اور خود حضرت جل و علا نے بھی لقمان کی حکمت و دانائی کا اعتراف کیا ہے۔ اسی وجہ سے اسلام کے علماے سلف مین اختلاف پڑا ہوا ہے کہ لقمان پیغمبر تھے۔ یا صرف ایک عابد و زاہد حکیم۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ پیغمبر نہ تھے۔ کیونکہ نہ خدا تعالی ہی نے اُن کو پیغمبر بتایا ہے اور نہ کسی ایسی قوم کا پتہ چلتا ہے جسکی ہدایت اور اُس مین توحید کی تبلیغ کرنے کے لیے وہ مبعوث ہوئے ہون۔ چنانچہ انھین امور کے خیال سے علما کا غالب گروہ انھین ایک حکیم و دانا اور سلف کا مرد صالح ہی بتاتا ہے۔

مگر یہ تھوڑی حیرت کی بات نہین کہ ایسا نامی گرامی شخص جو دینی و دنیوی دونون حیثیتون سے محترم مانا جاتا ہو جسکی دانائی و حکمت کی چار دانگ عالم مین دھوم ہو جسکا نام ہر ادنے و اعلےٰ کی زبان پر ہو۔ اُس کے حالات سے بہت ہی کم لوگ واقف ہین۔ اور یہ بھی نہین جانتے کہ وہ کون تھے؟ کب تھے؟ کہان تھے؟ اور کیا کرتے تھے؟

اُن کا نام و نسب لقمان بن فاعور بن ناخور۔ بن تارخ بتایا گیا ہے۔ تارخ حضرت ابراہیم کے والد آذر کا لقب یا نام تھا جس سے گمان ہوتا ہے کہ وہ حضرت ابراہیم کے ہم نسب

ہون گے - مگر یہ یقیناً غلط ہے - کیونکہ لقمان ارض سوُدان کے رہنے والے حبشی نژاد تھے - اور اُنکے سلسلۂ نسب کے بنی اسرائیل کے سلسلہ مین ملنے کی کوئی وجہ نہین ہے ۔ بعض دیگر روایتون مین لقمان کے باپ دادا کا نام عنقا بن مردن بتایا گیا ہے - اور کیا عجب کہ یہی صحیح ہو - علماے اسلام مین سے بعض لقمان کے نام کو عربی الاصل بتاتے ہین جنکے نزدیک اُس کا مادہ "لقم" ہے - اور بعض عجمی - مگر وہ لوگ غلطی پر ہین جو لفظ لقمان کو عربی خیال کرتے ہین جب خود لقمان عرب کے نہ تھے تو اُن کے نام کے عربی الاصل ہونے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے ؟

اصل مین حضرت لقمان ایک حبشی غلام اور شکل و صورت مین نہایت ہی حقیر و ذلیل اور پستہ قامت تھے جسطرح حبشی غلام عموماً سرزمین نوبیہ اور سوڈان سے لائے جاتے ہین وہ بھی لائے گئے تھے - ناک حبشیون کی طرح بیٹھی ہوئی اور چپٹی تھی - ہونٹھ موٹے اور بڑے بڑے تھے - پاؤن کے تلوے سپاٹ تھے یعنے نشیب و فراز نہونے کے باعث پورا پاؤن زمین پر بیٹھ جاتا تھا جیسے پاؤن عموماً حبشیون کے ہوا کرتے ہین - بڑھئی کا کام کرتے تھے بعض لوگ کہتے ہین کہ درزی کا کام کرتے تھے اور بعض اُنھین چرواہا بتاتے ہین - مگر ممکن ہے کہ مختلف اوقات مین اُنھون نے یہ سب کام کئے ہون -

اُنکے زمانے کے متعلق صرف اس قدر پتہ چلتا ہی کہ حضرت داؤد کے عہد مین موجود تھے جناب داؤد کے ہاتھون مین عنان حکومت کے آنے سے پہلے بنی اسرائیل مین فتوے دیا کرتے تھے - اس لئے کہ باوجود غلام حبشی ہونے کے علم و فضل نے اُنکو قوم بنی اسرائیل کا مفتی بنا دیا تھا بعض علماے سلف کہتے ہین کہ اُنھون نے علم و فضل حضرت ایوب ہی سے حاصل کیا تھا - اور اُنھین کے بھانجے تھے چونکہ اُنکا حبشی نژاد ہونا پایۂ اعتبار کو پہونچا ہوا ہے اسلئے حضرت ایوب کی شاگردی مین تو شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہین - مگر اُنکا بھانجا ہونا ہرگز قابل اعتبار نہین ہے -

حبشی غلامون کو دنیا کی ہر قوم ذلیل و حقیر خیال کرتی ہے - اسلام سے پہلے حبشی غلامون کے ساتھ بہت ہی بے رحمی اور بہیمیت کا سلوک کیا جاتا تھا اُن غریبون کی ہر ملک مین نہایت ہی بے قدری تھی - مگر اُن غلامون مین لقمان کے ایسے حکیم و دانا کا ہونا ایک ایسی بات تھی جس سے اُن سیاہ فام غلامون کی عزت اور قدر و منزلت بڑھ گئی - چنانچہ حضرت سرور کائنات علیہ السلام پیروانِ دین اسلام کو ہدایت و نصیحت فرماتے ہین "حبشیون کو تم اپنی سوسائٹی مین لو اسلئے کہ تین حبشی لقمان نجاشی اور بلال جنت کے سردارون مین ہین" -

سعید بن مسیّب نے ایک حبشی کو ملول و دل شکستہ دیکھ کے تسلی دی اور فرمایا "اپنے سیاہ فام

ہونے پر تم افسوس نہ کرو - کیونکہ تمھارے ہی گروہ مین لقمان تھے - بلال تھے - اور حضرت فاروق کے غلام مہجع تھے - جو نیک نفس اتقیاے زمانہ مین تھے - اور بہترین لوگون مین شمار کیے جاتے تھے"

لقمان اگرچہ اعلےٰ ترین حکما اور داناؤن مین تھے - مگر اس قدر گمنامی کے زمانے مین تھے کہ اُنکی تعلیم و تربیت کے حالات بالکل نہین معلوم ہو سکتے - اس مین شک نہین کہ انھون نے حضرت ایوب کی درسگاہ نبوت و رسالت سے بہت علمی فائدہ اٹھایا تھا مگر واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی فطری دانائی کی مدد سے اُنھون نے اپنے آپ کو خود حکیم بنایا - اور جتنا کہ فائدہ کوئی اور شخص کسی اُستاد سے اٹھایا کرتا ہے انھون نے خود اپنی روشن ضمیری اور اپنے قریحۂ صالحہ سے اُٹھایا -

چنانچہ ایک دن اپنے تلامذہ اور خوشہ چینیان صحبت فیض کو حکمت و دانائی کا درس دے رہے تھے کہ ایک شخص سامنے آکے کھڑا ہو گیا - دیر تک اُنکی صورت پر غور کرتا رہا - اور آخر پہچان کے بولا "تم وہی ہو نہ جو فلان مقام پر میرے ساتھ بکریان چرایا کرتے تھے ؟" لقمان نے جواب دیا "ہان مین وہی شخص ہون" تب اُس نے متحیر ہو کے کہا "تو یہ مرتبہ تمھین کیونکر حاصل ہوا ؟" فرمایا "صرف دو باتون سے ایک تو سچ بولنا - اور دوسرے بے ضرورت بات نہ کرنا"

یہ واقعہ کئی روایتون سے ہم تک پہونچا ہے - جن مین سے ہر ایک مین تھوڑا بہت اختلاف ہے اور بعض باتین بڑھی ہوئی ہین - ایک مین حضرت لقمان کا آخری جواب یہ ہے کہ "اللہ کی قدر جاننے امانت کے ادا کرنے سچ بولنے - اور فضول بات نہ کہنے سے مین نے یہ مرتبہ حاصل کیا" ایک تیسری روایت مین یہ ہے کہ "جن چیزون نے مجھے اس رتبہ کو پہونچایا یہ ہین نظر نیچی رکھنا - زبان کو روکنا - غذا کو پاک رکھنا - شرمگاہ کو قابو مین رکھنا - سچ بولنا - عہد کو پورا کرنا - مہمان کی عزت کرنا - پڑوسی کی مدد و حمایت کرنا - اور جس چیز مین کوئی فائدہ نہ ہو اُسے ترک کر دینا" اور پھر اُس کے بعد فرمایا "اگر تم یہ کرو تو تم بھی ایسے ہی ہو جاؤ گے"

اس واقعہ سے اشارۃً یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ لقمان ابتداءً غلام تھے اور اپنے آقا کی بکریان چرایا کرتے تھے - پھر اس کے بعد اُسکی مہربانی سے آزاد ہو گئے - اور لوگون کو علم حکمت کی تعلیم دینے لگے

ابو دردا نے ایک بار لقمان کے حالات و فضائل بیان کرتے کرتے کہا "انین جتنی خوبیان تھین وہ اُن کو نہ گھر والون سے ملی تھین - نہ حسب و نسب سے - بلکہ وہ ایک شمشیر عریان - دُھن کے پورے خاموش - ہر امر مین غور و فکر کرنے والے - ہر معاملے پر گہری نظر ڈالنے والے بزرگ تھے - دن کو کبھی سوتے نہ تھے - اور شرم کی یہ حالت تھی کہ کبھی کسی شخص نے انھین تھوکتے کھنکھارتے

پیشاب کرتے۔ پہچانے جاتے۔ نہاتے ہنستے۔ بات کو دوہراتے نہین دیکھا۔ یہ اور بات تھی کہ کسی حکمت کی بات کو کوئی شخص دوبارہ پوچھے اور اُنھین اُس کی تقریر دوبارہ کرنی پڑے۔

غلامی کے زمانے ہی مین اُنھین یہ کمالات حاصل ہو گئے تھے۔ اور خود اُنکا مالک بھی اپنے غلام کے ان باطنی کمالات سے واقف ہو گیا تھا چنانچہ اُس نے ایک بار ایک بکری کی طرف اشارہ کرکے ان سے کہا "جاؤ اسے ذبح کرو۔ اور گوشت کا بہترین حصہ نکال لاؤ" اُنھون نے فوراً بکری ذبح کی اور اُسکی زبان اور اُسکا دل لیجا کے مالک کے سامنے رکھ دیا۔ دو چار روز بعد اُس نے دوسری بکری دی اور کہا "اب کی گوشت کا بدترین حصہ نکال لاؤ" یہ گئے بکری کو ذبح کیا۔ اور پھر وہی زبان و دل اُسکے سامنے لا کے رکھ دیے۔ مالک اُنکا یہ فعل دیکھ کے نہایت ہی متحیر ہوا اور کہا "یہ کیا؟ مین نے گوشت کے بہترین حصے مانگے تب بھی تم اسی دل و زبان کو لائے اور بدترین حصے مانگے تو اب بھی تم وہی دونون چیزین لے آئے ہو؟" اُنھون نے عرض کیا "حضور میرے نزدیک تو ایسا ہی ہے۔ یہی دل و زبان اگر پاک ہون تو ان سے بہتر کوئی چیز نہین اور اگر ناپاک ہون تو ان سے بُری بھی کوئی چیز نہین"

اُنکی شادی بھی ہوئی تھی۔ اور ایک صاحبزادے تھے جنکا نام ثاران تھا۔ ایک اور بیٹا بھی ہوا تھا جو اُنکے سامنے دنیا سے رخصت ہو گیا۔ بیٹے کی موت دل کو کہان تک چوٹ نہ لگی ہوگی۔ مگر آنکھین نہین تر ہونے پائین۔ اور نہ کسی نے اُسکے غم مین کبھی روتے دیکھا۔ اپنے عہد کے امرا و سلاطین کے دربارون مین بھی کبھی کبھی چلے جاتے تھے۔ مگر وہان بھی کبھی کوئی غرض لیکے نہین گئے۔ بلکہ صرف عبرت حاصل کرنے کے لئے اور حکمت و دانائی کی باتون کی تلاش مین جایا کرتے تھے۔

لقمان اگرچہ بنی اسرائیل اور خاصتہً حضرت داؤد کے معاصرین مین ہین مگر توراة مین کسی جگہہ اُنکا ذکر نہین۔ اور نہ توریت کی تاریخ سے اُن کے حالات کے متعلق کسی بات کا پتہ لگ سکتا ہے۔

سچ یہ ہے کہ حضرت لقمان کے نام کو جو کچھ شہرت ہوئی دین محمدی کی بدولت ہوئی۔ اس لیے کہ اللہ جل شانہ نے وحی کے ذریعہ سے اپنے پیغمبر برحق کو اُنکی نصیحتون کے اُس حصہ سے مطلع فرمایا جو توحید کے متعلق تھا۔ قرآن پاک کی ایک سورة لقمان کے نام سے مشہور ہوئی جس مین صرف اس قدر مذکور ہے کہ "و اذ قال لقمٰن لابنہ و ہو یعظہ یٰبنی لا تشرک باللہ ان الشرک لظلم عظیم" (اور جب لقمان نے اپنے بیٹے سے اثنائے نصیحت مین کہا اے میرے بیٹے کسی کو خدا کا شریک نہ ٹھہرانا اس لئے کہ

شرک بڑا ظلم ہے)

توراۃ مین ذکر نہ ہونے کے باعث انگریزی لٹریچر مین حضرت لقمان کے نام کو بہت ہی کم شہرت حاصل ہے - بیٹن کی بیاگرفیکل ڈکشنری مین انکے حالات مین صرف اس قدر مذکور ہے (وہ ایک حبشی نژاد فلسفی تھے - جن کے حالات مین سے کوئی بات بھی معتبر ذریعہ سے نہین معلوم ہو سکتی معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی ذلیل نسل کی یادگار تھے - اور لعبض کہتے ہین کہ غلام تھے - انکے آزاد ہونے کا قصہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ انکے مالک نے ایک دن انھین ایک کڑوا خربوزہ دیا اور کہا اسے کھاؤ - وہ سارا کھا گئے - انکی یہ عجیب و غریب فرمان برداری دیکھ کے مالک نے متحیر ہو کے پوچھا "ایسا کڑوا پھل تم سے کیونکر کھایا گیا ؟" جواب دیا "میرے حال پر حضور کی ایسی ایسی مہربانیان ہوتی رہی ہین کہ حضور کے ہاتھون سے زندگی مین ایک بار اگر ایک کڑوی چیز مل گئی تو اس کا کھا لینا کوئی حیرت کی بات نہین ہے" اس جواب سے مالک ایسا خوش ہوا کہ انھین فوراً آزاد کر دیا - انکے حالات مین بہت سے ایسے قصے بتائے گئے ہین جو یوزاسف کی کہانیون سے بہت ملتے جلتے ہین - اور ان دونون مین اس قدر یکسانی ہے کہ خیال کیا جاتا ہے دونون ایک ہی شخص کے مرتب کئے ہوئے ہین - لقمان کی کہانیون کا مجموعہ ۱۷۲۴ء مین گیلنڈ نے پیرس مین چھاپ کے شایع کیا تھا -

افسوس یہ مجموعہ اس وقت ہمارے ہاتھ مین نہین ہے ورنہ ہم شاید کچھ اور حالات بھی بیان کر سکتے - لقمان کی وصیتون کا مجموعہ عربی مین جداگانہ شایع ہوا ہے لیکن انکی صحت پر وثوق نہین کیا جا سکتا تاہم وہ دلچسپی اور فایدہ سے خالی نہین لقمان کی کل نصیحتین اپنے بیٹے ہی کے سمجھانے کے لیے ہین ماسوا توحید کی تعلیم کے جس کا ذکر قرآن مین آ گیا ہے یہ نصیحتین بھی انکی جانب منسوب کی جاتی ہین جو وصایای لقمان سے ماخوذ ہین -

اپنے فرزند کی طرف مخاطب ہو کے فرماتے ہین "بیٹا جب کسی صحبت مین جاؤ تو لوگون کو سلام کر کے بیٹھ جاؤ - اگر وہ لوگ خدا کے ذکر مین مشغول ہون تو ٹھہرو - اور اگر کسی اور ذکر مین مصروف ہون تو انکی صحبت چھوڑ دو - اور دامن جھاڑ کے اٹھ کھڑے ہو - بیٹا برے لوگون سے پناہ مانگتے رہو - اور جو اچھے ہین انسے بھی ڈرتے ہی رہو - دنیا مین نہ پھنسو - اور اپنے دل کو اس مین نہ لگاؤ - کیونکہ تم دنیا کے لیے نہین پیدا کئے گئے ہو - اور خدا کی ساری مخلوق مین اسکے نزدیک اس دنیا سے زیادہ ذلیل کوئی چیز نہین ہے - اس لیے کہ نہ اس کی نعمتین فرمان بردارون کے حق مین جزاے خیر ہین - اور نہ اس کی

مصیبتین گنہگارون کے لیے سزا ہین۔ بیٹا کسی بات پر جب تک مجبور نہ ہو جاؤ نہ ہنسو۔ نہ بے مطلب کسی طرف قدم اٹھاؤ۔ اور نہ اُس بات کو پوچھو جس سے تمھین واسطہ نہین۔ بیٹا۔ اپنا مال ضایع نہ کرو۔ اور دوسرے کے مال کی اصلاح نہ کرو۔ تمھارا مال وہ ہی جو تم نے خدا کی راہ مین دیا۔ اور دوسرونکا وہ ہی جسے تمنے اورونکے لیے چھوڑ دیا۔ بیٹا جو کوئی اورون پر رحم کرتا ہے خود اُسپر بھی رحم کیا جاتا ہی۔ جو خاموش رہتا ہی امن مین رہتا ہی۔ جو اچھی بات کہتا ہی اُس سے فائدہ اُٹھاتا ہی۔ جو جھوٹ بولتا ہی گنہگار ہوتا ہی۔ اور جو زبان اپنے قابو مین نہین رکھتا ندامت اُٹھاتا ہے۔ بیٹا۔ علما کی صحبت مین گھٹنونکے بل جاؤ۔ اور اُنکے سامنے خاموش بیٹھکے کان لگاؤ۔ اسلیے کہ علما کے نور سے دل اُسی طرح زندہ ہو جاتا ہی جس طرح کہ مردہ زمین آسمان کے مینھ سے زندہ ہو جاتی ہی۔"

حضرت لقمان کی یہ نصیحتین آب زر سے لکھنے کے قابل اور سچ یہ ہی کہ اخلاقی اور دیندارانہ زندگی کے لئے ان سے بہتر نصیحتین نہین مل سکتین۔

عذر گناہ بدتر از گناہ

آزادی بدخلقی کا نام نہین ہی۔ اور نخوت چاہے علم ہی پر ہو کبھی قابل تعریف نہین ہو سکتی اگر کسی کی نسبت کوئی کلمۂ حقیر (وہ دھوکے ہی مین سہی) زبان سے نکل گیا ہو تو اول تو ہمارے نزدیک اُسکے واپس لینے کی کوئی ضرورت ہی نہین ہو سکتی اور اگر فرض کیجیے کہ واپس لینے کی ضرورت ہو بھی تو بڑی احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہے تاکہ کسی کی دل شکنی نہ ہونے پائے۔

مارچ کے رسالہ "الندوہ" مین الہ آباد کے نئے اور اعلی درجہ کے رسالے "ادیب" کی نسبت یہ الفاظ شایع ہو گئے تھے کہ "حال مین الہ آباد انڈین پریس سے ادیب ظاہری شکل و صورت مین اس آن بان کے ساتھ نکلا کہ تمام لوگ پکار اُٹھے کہ ع اس طرح کا جمال ہو ایسا شباب ہو"۔ ادیب کی ظاہری حالت اُسکی خوبصورتی اور اُسکی تصویرون کے لحاظ سے یہ کوئی نامناسب لفاظ نہ تھے۔ اور اسپر شبہ ہونا کیسا لوگون کو یقین تھا کہ یہ الفاظ مولانا شبلی کے قلم سے نکلے ہین لیکن اصل مین مولانا کے نہ تھے۔ اور آنکی جانب منسوب ہو جانے سے اُن کے معصومی کے دامن مین ایسا دھبا لگ گیا تھا جسکا دھویا جانا نہایت ضروری تھا۔ چنانچہ اپریل کے الندوہ مین وہ دھبا دھویا گیا۔ دھل تو کیا سکتا تھا ہان یون کہنا چاہیے کہ اُسی دھبا پڑی ہوئی عبا کو مولوی عبدالسلام صاحب ندوی سب ایڈیٹر الندوہ نے مولانا کے جسم اطہر سے اُتار کے خود پہن لیا

اور فرماتے ہین "مولانا کی ذات اس سے ارفع ہے کہ انکے قلم سے عام رسالون کے متعلق ایسے مبالغہ آمیز الفاظ نکلین"، اس خیال کے اظہار کے ساتھ عام رسالون پر عام حملہ کر دینے اور اپنے تشناک تحریک کے الم نشرح کرنے پر بھی الندوہ کو چین نہ آیا اور یہ بھی نہ گوارا ہوا کہ اسکا سب ایڈیٹر بھی "ادیب" کی اتنی تعریف کرے چنانچہ مولانا ندوی مولانا شبلی کے پاکدامنی کی شہادت دینے کے بعد اپنی سابقہ فیاضی کے ایک بڑی حد تک واپس لینے کی غرض سے فرماتے ہین "ہمنے بھی جو کچھ لکھا تھا اسکا تعلق رسالہ کی مادی حالت سے تھا مضامین کے لحاظ سے ہم اردو کے کسی رسالہ کو وقیع نہین سمجھتے"، کیون حضرت؟ ادیب کی تو خیر یہ خطا تھی کہ آپ کے قلم سے اس کی تعریف نکل گئی ع۔ اس پہ بگڑے ہین کہ کوئی مجھے یون یاد آیا" مگر اردو کے اور سب رسالون نے کون سا قصور کیا تھا جو آپ سب پر منھ آ گئے؟ -

ناوک نے ادسکے صید نہ چھوڑا زمانے مین   تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے مین

اچھا صاحب ہم نے مانا کہ آپ اردو کے کسی رسالہ کو وقیع نہین مانتے لیکن الندوہ کو تو وقیع مانتے ہونگے یا اسے بھی نہین بیشک اسے آپ کی نظر مین وقیع ہونا چاہئے کیونکہ وہ وقیع نہوگا تو اور رسالونکے غیر وقیع بنانے کے فتوے کی کیا وقعت رہے گی؟ اور ادیب کی طرف پیار کی نگاہون سے دیکھتے ہوئے آنا اور آنے کے بعد جھکڑ ادینا ناز معشوقانہ کے بجائے ایک مجنونانہ فعل تصور کیا جائےگا

لیکن سچ یہی ہے کہ جب اردو کے سب رسالے بے وقعت ہو گئے تو اکیلے ایک الندوہ کے سر پر فضیلت کی پگڑی بندھی رہی بھی تو کیا۔ لہذا اورون کی پگڑی اگر مولانا الندوہ نے اتاری تو انکی ہم اتارے لیتے ہین اور دعوی کرتے ہین کہ الندوہ اردو کے بدترین رسالون مین ہے۔ اور رسالون سے تو خیر دنیوی حیثیت سے اسلامی پبلک کو کچھ فائدہ بھی پہونچ جاتا ہے۔ مگر الندوہ سوا اسکے کہ مسلمانون کے عقائد کو بگاڑے اور تقدس مآبی کی عباؤن کے اعتزال کی تعلیم دے اس وقت تک کوئی اچھا کام نہین کر سکا۔

لٹریری دنیا مین آنے کے بعد ہر طرف سے تحسین و مرحبا کی آوازین کان مین پڑنے لگتی ہین ایسی آوازین ان گذشتہ پچیس تیس سال مین اکثر ہمارے کانون مین بھی آتی رہی ہین اور اپنی تعریف کے ہزارہا سرٹیفکیٹ جو پبلک سے ملے ہین ہم بھی پیش کر سکتے ہین مگر وہ لوگ قوم مین نہایت ہی برا اور ناپاک نمونہ ہین جو ان تعریفون پر پھول کے سمجھنے لگتے ہین کہ ہم جو ہین دیگرے نیست افسوس عوام کی تو تھوڑی بہت اصلاح ہو بھی جاتی ہے مگر علما سے کبر و نخوت اور خود پرستی کا مرض نہ جانا تھا نہ گیا

علم سے ہمارے نزدیک صرف اتنا ہی ہوتا ہے کہ اپنے عجز اور اپنی لاعلمی کی حد معلوم ہو جاتی ہے۔ لہذا ضرور ہے کہ علم علما میں انکسار پیدا کرے۔ کیونکہ اُن سے زیادہ اس بات کو کوئی نہیں جان سکتا کہ فضول دعوے کس قدر بے بنیاد ہوا کرتے ہیں۔ اسلئے جن علما میں تبختر و خود پرستی کا مادہ ہو وہ یقیناً نہایت ہی جاہل بلکہ جاہلون سے بدتر ہیں۔

الندوہ مین ادیب کی تعریف مین جو چند الفاظ لکھے گئے تھے وہ خود پکار کے کہہ رہے ہین کہ مولوی ندوہ صاحب نے صرف ادیب کی ظاہری صورت کی تعریف کی تھی اور فضیلت مآبی کی سنت قدیم کے مطابق خالی صورت پر فریفتہ ہو گئے تھے کیونکہ فرماتے ہین "انڈین پریس سے ادیب ظاہری شکل صورت مین اس آن بان کے ساتھ نکلا کہ تمام لوگ پکار اُٹھے۔ ع اس طرح کا جمال ہو ایسا شباب ہو" ان الفاظ کو پڑھکر کسکے دل مین اس بات کا ذرا بھی شبہ گذر سکتا تھا کہ جناب قبلہ نے اُسکے مضامین کی تعریف فرمائی ہی اور جب یہ پہلے ہی سے اُنکا ارادہ تھا تو پھر اس منطق کے معنے ہی کیا کہ "ہمنے جو کچھ لکھا تھا اُسکا تعلق رسالہ کی مادی حالت سے تھا" اسسے صاف ظاہر ہے کہ ادیب کی محبت سے باز دعوے دینے پر بھی مولانا الندوہ اپنے آپ کو پاکدامن نہین ثابت کرسکے۔ کیونکہ ادیب کی مادی یا دوسرے الفاظ مین یون کہیئے کہ سفلی دربائی کے اب بھی قائل ہین۔ پبلک کے دربار مین تو نیا مدد اخل کرکے مولانا در حقیقت اپنے پہلے ریویو کے کسی جزو کو بھی واپس نہین لے سکے۔ ہان اتنے تبختر کا اضافہ البتہ ہوگیا کہ مولانا کی شان اسسے ارفع ہے اور الندوہ کی نظر مین اردو کا کوئی رسالہ وقیع نہین۔ اسسے زیادہ صحیح نمونہ عذر گناہ بدتر از گناہ کا نہین ہوسکتا۔

خلیفہ ہارون رشید نے ایک بار کہا تھا کہ "عذر گناہ بدتر از گناہ" کا مشہور مقولہ لغو ہے۔ یہ کیونکر ہوسکتا ہی کہ گناہ کی عذر خواہی کی جائے تو وہ خود گناہ سے بھی بڑھ جائے؟ دربار کے شوخ طبع شاعر ابونواس نے عرض کیا کہ مین کسی وقت اسکی صحت کا یقین دلا دونگا۔ اسکے بعد شام کو ابونواس زنانی ڈیوڑھی کے پردے کے پاس چھپکے کھڑا ہو رہا۔ اور جب خلیفہ محل مین جانے لگا تو دوڑ کے لپٹ گیا اور اُسکا منھ چوم لیا۔ خلیفہ نے گھبرا کے اور بہت طیش کھا کے کہا "این یہ کیا؟" ابونواس گھبرا کے بولا "حضور مین سمجھا تھا زبیدہ خاتون (رشید کی خاص محل) ہین"۔ یہ جواب سنتے ہی رشید اور برافروختہ ہوا اور ابونواس نے ہاتھ جوڑ کے کہا "حضور عذر گناہ بدتر از گناہ اسیکو کہتے ہین"۔ اس بدتر از گناہ معذرت کی عربی لٹریچر مین بڑی شہرت ہی۔ مگر ہمارے خیال مین مولانا الندوہ کی یہ بدتر از گناہ معذرت اسسے بھی بڑھی ہوئی ہے۔ وہان تو اکیلی ایک زبیدہ خاتون پر حملہ ہو گیا تھا یہان ایک سرے سے سب ہی کی پگڑی اتار لی گئی۔ مگر مولانا ہم تو بے پگڑی کے بھی جی لین گے آپ اپنی پگڑی سنبھالیے۔

نظم معرّیٰ

سنسکرت - یونانی - لاطینی - انگریزی اور یورپ کی دیگر زبانون مین ایک قسم کی نظم ہوتی ہے جس مین قافیہ کی پابندی نہین کی جاتی جسے انگریزی زبان مین "بلینک ورس" کہتے ہین - یہ نظم ڈراما کے لئے نہایت ہی مناسب بلکہ لابدی ہوتی ہے کیونکہ مکالمہ سے صحیح لطف سوا اُس کے اور کسی قسم کی نظم مین نہین حاصل ہو سکتا - اس نظم مین ایک مصرع کے الفاظ ٹوٹ کے کئی زبانون پر جا سکتے ہین گفتگو سادی اور بے تکلف رہتی ہے اور پھر اُسکے ساتھ موزونیت کا سلسلہ بھی قایم رہتا ہے -

اگرچہ بادی النظر مین نظر آتا ہے کہ قافیون کی قید سے آزاد ہونے کے باعث ایسی نظمین لکھنا زیادہ آسان ہوگا مگر دراصل یہ سب قسم کی نظمون سے زیادہ دشوار ہوتی ہے - اس لئے کہ اور سب نظمون مین الفاظ کا اپنی اصلی اور صحیح ترتیب سے ہٹنا کسی حد تک جائز سمجھا جاتا ہے مگر اس مین چونکہ مکالمہ اور بے تکلف گفتگو سے زیادہ کام پڑتا ہے اور نثر عاری کی حقیقی شان قایم رکھنا پڑتی ہے اسلئے اس مین ترتیب الفاظ مین ایک ادنے تغیر بھی معیوب ہے - یا یون کہیے کہ تعقید لفظی سب نظمون مین تھوڑی بہت جائز ہے مگر اس مین مطلقاً جائز نہین - اور اس وجہ سے تصور کرنا کہ اس قسم کی نظم کہنا آسان ہے بڑی فاش غلطی اور نا واقفیت کی دلیل ہے بلکہ سچ یہ ہے کہ بلینک ورس (نظم معرّیٰ) ہر طرح کی نظمون سے زیادہ دشوار ہے -

سب کے پہلے اس نظم کا سلسلہ ہم نے دلگداز مین چھیڑا تھا - اور سنہ ۱۹۰۰ء کے پرچون مین ایک ڈراما بھی شایع کرنا شروع کر دیا تھا جسکو تعلیم یافتہ گروہ نے یا اُن لوگون نے جنھین موجودہ مذاق سخن سے اُنس ہے بہت پسند کیا - مگر پرانے مذاق کے شعرا مین جو اگلے رنگ نشا کے دلدادہ ہین اختلاف پڑا - بعض نے پسند کیا اور بعض نے ناپسند -

ایسے امور مین رائے قایم کرنا کوئی آسان کام نہین انسانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ جس چیز اور جس مذاق سے مانوس و آشنا ہو جاتی ہے اُسکے خلاف کسی چیز اور کسی مذاق کو چاہے وہ کیسا ہی اچھا ہو نہین پسند کرتی - ایک لباس ہی کو لیجیے - اپنے وطن کا لباس جس سے نظر مانوس ہو جاتی ہے اُسکے تمام عیوب نگاہ سے مخفی رہتے ہین - ہر حیثیت اور ہر پہلو سے وہ بھلا اور اچھا معلوم ہوتا ہے - اور انسان جب دوسرے ممالک اور بلاد مین جاتا ہے تو وہان کی ہر ہر چیز اور ہر ہر وضع پر ہنستا معترض ہوتا - اور وہان کے لوگون کا مذاق اُڑاتا ہے - جس کی بنیاد کوئی معقول بات نہین

ہوتی بلکہ صرف اُسکی نامانوسیت ہوا کرتی ہے۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا تو دنیا مین یہ اختلاف مذاق و وضع ایک
گھڑی کے لیے بھی قایم نہ رہتا بلکہ ہر شخص دوسرے کی اچھی وضع کو جو عقل کے فیصلہ کی بنا پر اچھی ثابت ہوتی
فوراً اختیار کر لیتا۔ اور ساری دنیا مین عجیب قسم کی یکرنگی اور ہم وضعی ہوتی۔

الغرض اسی غیر مانوسیت کے باعث بہت سے یکرنگ اور قدامت پرست لوگون نے اس نظم کو
بھی جو باہر کی آئی ہوئی تھی ناپسند کیا۔ اور اس پر اپنے ذہن سے تراش تراش کے طرح طرح کے
اعتراض شروع کر دیے۔

ہمارے یہان لوگ حقیقت اور معنوی امور کو چھوڑ کے لفظی بحثون کے زیادہ عادی ہو گئے
ہین۔ شاعری ہی کی دنیا مین ہم دیکھتے ہین کہ ایک مدت دراز سے لوگ زیادہ تر اسی قسم کے مباحث
اور جھگڑون مین پڑتے ہین کہ یہ لفظ مذکر ہے یا مونث۔ یہ قافیہ جایز ہے یا نہین۔ کون سا زحاف
جائز ہے اور کون نہین۔ اسکے مقابل مضامین اور معنوی خوبیون کی طرف شعرا کا اس قدر خیال
نہین جاتا جتنا کہ لفظی محاسن کی طرف جاتا ہے۔ مین یہ نہین کہتا کہ معنوی خوبیون کا لحاظ چھوڑ دیا
گیا ہے مگر ہان یہ ضرور کہونگا کہ الفاظ کی ظاہری صورت سے زیادہ لحاظ انکے معنوی پہلو کا ہونا
چاہئیے تھا۔ اور یہ نہین ہوتا۔ یا ہوتا ہے تو بہت کم۔

انھین لفظی نزاعون کے رجحان کا نتیجہ تھا۔ کہ جب مین نے اس نظم سے بحث شروع کی تھی
اُس وقت بھی یہ بحث چھڑی تھی کہ اس قسم کی نظم کو نظم کہہ سکتے ہین یا نہین اور اب بھی اس موقع پر
زیادہ بحث یہی ہو رہی ہے۔ رسالہ فصیح الملک مین اس نظم کے متعلق بہت کچھ بحث ہوئی ہے اور بعض
حضرات نے بڑی قابلیت سے مضامین لکھے ہین۔ مگر اکثر مضامین مین یہی بحث چھیڑی گئی ہے اور معترضین
بہت زور دے رہے ہین کہ "بلینک ورس" کو نظم کے لفظ سے تعبیر کرنا غلطی ہے"۔

اس مین شک نہین کہ فارسی و عربی کتب عروض مین اسی قسم کے کلام کو "نثر مرجز" بتایا
گیا ہے مگر جن لوگون نے فن عروض پر زیادہ وسعت اور غور کے ساتھ نظر ڈالی ہے اور یونانی و انگریزی
محققین کے فیصلون کو بھی دیکھا ہے۔ وہ یہ کہنے پر مجبور ہین کہ شاعری ایک خاص قسم کی تخییل کا
نام ہے جیسے قافیہ وغیرہ کی کچھ ضرورت نہین بلکہ ایک خاص قسم کی خیال آفرینی اور خاص وضع
کے طرز ادا کو شاعری کہتے ہین نہ محض قافیہ پیمائی کو"

مگر "بلینک ورس" کو زبان اردو مین رواج دیتے وقت اس سے زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہین
کہ یہ نظم ہے یا نثر۔ بلکہ اصلی بحث یہ ہونی چاہئیے کہ یہ طرز کلام عام اس سے کہ

نظم ہو یا نثر - موزون ہو یا غیر موزون - اُردو لٹریچر مین اُسکے اضافہ کی ضرورت ہے یا نہین - یا اس سے بھی تنزل کرکے کہا جائے کہ اس قسم کے کلام سے اُردو نظم و نثر اور ہمارے لٹریچر کو کوئی فرق تو نہ پہونچے گا ؟ اور - ایسی نظمین ہماری زبان مین قابل برداشت ہین یا نہین ؟

کسی لٹریچر مین جب کوئی نئی چیز پیش کی جائے تو پہلا تصفیہ اسی امر کا ہونا چاہئیے کہ آیا ہم اس طرز کلام کو جس سے اس وقت تک نا آشنا رہے ہین گوارا کرسکتے ہین یا نہین - کیونکہ ابتداءً اُس نئی صنعت سخن کی خوبیون کے بجاے صرف اُسکے جائز ہونے سے بحث کرنی چاہیے - رہین اسکی خوبیان وہ اُس وقت کھلین گی جب ہمارے مذاق اُس سے آشنا ہون گے -

بلینک ورس ،، کے جائز اور گوارا ہونے کے لیے پہلے ہمین اس پر نظر ڈالنی چاہیے کہ اُردو لٹریچر کو اس صنف کلام کی ضرورت ہے یا نہین - اگرچہ مین جانتا ہون کہ ہمارے قدیم مذاق کے شعرا ابھی اسکی ضرورت کو نہ محسوس کرسکین گے مگر مجھے یقین ہے کہ وہ روز بروز زیادہ محسوس ہوتی جائے گی - اور ملک مین انگریزی تعلیم کو جس قدر زیادہ رواج ہوگا اُسی قدر لوگون کو بلینک ورس کی ضرورت بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ نظر آتی جاے گی -

اب اُردو مین ڈراما ضرور تصنیف ہونگے - کیونکہ جو لوگ انگریزی مین ڈراما کا لطف اُٹھا چکے ہین وہ تاوقتیکہ خود اپنی زبان مین ڈراما کا لطف نہ پیدا کرلین ہرگز چین نہ لین گے - ایک طرف تو وہ یہ چاہتے ہین کہ شکسپیر اور کالیداس کے ناٹکون کا اُردو مین ترجمہ کیا جاے اور اس طرح کہ جو لطف اُنکے اصلی زبان مین آتا ہے وہی اُردو ترجمون مین بھی آسکے - دوسری طرف وہ چاہتے ہین کہ اُسی عنوان پر ہمارے جذبات و واقعات کی تصویرین اُردو ڈراما مین دکھائی جائین - یعنے خود اُردو مین نئے نادر اور رنگیل ڈراما تصنیف ہون -

اس ضرورت کے تسلیم کرنے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے تعلیم یافتہ لوگون کا یہ شوق بغیر نظم معری (بلینک ورس) کے رواج دیے اُردو کے موجودہ اصناف سخن سے بھی پورا ہوسکتا ہے یا نہین ؟ جو حضرات ڈراما کی حقیقت و حالت سے واقف نہین وہ تو بے تکلف کہدینگے کہ کوئی خیال اور کوئی واقعہ نہین جسے ہم اپنی موجودہ شاعری کے ذریعہ سے نہ ادا کرسکتے ہون مگر جو لوگ جانتے ہین کہ ڈراما کیا چیز ہے وہ اس بات کے تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائین گے کہ بغیر نظم معری کے اختیار کئے اُردو مین ڈراما لکھے ہی نہین جاسکتے -

جو ناظرین انگریزی مذاق سخن سے ناواقف ہین اُن پر ڈراما اور بلینک ورس کی

نوعیت کے ظاہر کرنے کے لیے مین اپنے ایک پرانے ڈراما کا کسی قدر حصہ چند مقامات سے منتخب کرکے پیش کرتا ہون۔

مثلاً حاکم سبطہ کی بیٹی فلورنڈا جو راورق بدکار بادشاہ اسپین کے محل مین ہے اور اُسکی بدکاریون سے ہراسان ہے۔اپنے کمرے مین تنہا بیٹھی کہہ رہی ہے۔

فلورنڈا - کس غضب مین پڑ گئی ہون! آہ! کچھ بنتا نہین !
کیا کرون؟ کس سے کہون؟ کیونکر کہون؟ اور کون ہے
جسکے آگے سرکو دے مارون؟ یہان کوئی نہین
جو خبر لے اس مصیبت مین مری۔ افسوس! مین
پھنس گئی کیسی بلا مین؟ مین تو آتی ہی نہ تھی
آہ! والد نے نہ مانا! دیکھیے قسمت مین اب -
کیا لکھا ہے؟ اور کیسی ذلتین ہوتی ہین؟ ارے
راورق! ظالم! تجھے کچھ شرم بھی آتی نہین؟
مر نہین جاتا ہے کیون؟ جو تیرے ظلمون سے بچین
لڑکیان شاہی گھرانے اور معزز لوگون -

(کچھ آہٹ پاکے) کون ہے؟"

یا ایک جگہ اس وضع سے سین دکھایا گیا ہے کہ عیسلے (ہیرو) قلعہ کے اوپر دریا کنارے ٹہل رہا ہے اور غروب آفتاب کا تماشا دیکھ کے کہتا ہے۔

عیسلے - (خود بخود) آہ دنیا! تجھ مین کیا کیا لطف ہین! کس شان سے -
دیکھو سورج ڈوبتا ہے! اور کرنین کس طرح
پانی پر افشان چھڑکتی ہین! ادھر اُس کوہسار
کو طلائی کپڑے سورج نے پنھائے ہین۔ جہان
گھانس کی وہ ننھی ننھی پتیان اس دھوپ مین
جگنوؤن کے مثل تابان ہین۔ وہان اُس بیل نے
کیا طلائی جھالرین منقش کی لٹکائی ہین !
پھول بھی ہر رنگ کے اُس جا کھلے ہین۔ اور وہ

دیکھو کلیان مسکراتی ہین عجب انداز سے!

دیکھ کر یہ لطف چڑیان کیسی خوش ہین! اور کس
جوش سے سب چہچہا اوٹھتی ہین! کیسی شاد ہین!
جس کو دیکھو خوش ہے۔ لیکن۔ آہ! اک مین ہون کہ دل
کو قرار آتا نہین۔ الجھن ہے۔ بیتابی ہے۔ اور
ہر گھڑی اک دھن ہے۔ پیاری فلورنڈا! بس تجھے
اک نظر دیکھون تو چین آئے۔ کہان ایسے نصیب!
مین تڑپتا ہون یہان۔ تو اندلس کے باغون مین
سیر کرتی۔ ناز سے اٹھلاتی۔ ہنستی۔ بولتی۔
کھلکھلاتی۔ توڑتی پھولون کو۔ پھر اُن کو عجب
ناز سے سر پر لگاتی ہوگی۔

(دیکھ آہٹ پا کے اور ایک آواز سُن کے)

کیا! یہ کون تھا؟

یہ تو اظہار خیالات و جذبات کے موقع تھے۔ اب ذرا گفتگو کی شان بھی ملاحظہ ہو۔
مریم راڈرق کے دست ستم سے اُسکی ساقیہ کی مدد سے بچکے فلورنڈا کے پاس آئی ہے وہ ساقیہ بھی موجود
ہے اور مریم محل سے بھاگنے کا قصد کرتی ہے۔ اسوقت تینون عورتون مین یہ گفتگو ہوتی ہے۔

مریم۔ (افق مشرق کو دیکھ کے) صبح اب ہونے کو ہے
دیکھیے جھونکے نسیم صبح کے وہ آپ کی
زلف برہم کر رہے ہین۔ اور تارون کے چراغ
جھلملاتے ہین فلک پر۔ اور سیہ چادر یہ شب
کی سمٹتی جاتی ہے۔ ایسا نہ ہو چڑیان اُٹھین۔
اور جگا دین راڈرق کو۔ مین تو جاتی ہون بہن۔

فلورنڈا۔ کیا کرو گی جا کے اب؟

ساقیہ۔ ان کو نہ روکین

فلورنڈا۔ کس لیے؟

ساقیہ — بادشہ کو گر ذرا بھی شک ہوا تو بس مجھے -
اور ان کو قتل کروا لین گے -

فلورنڈا — تو جاؤ بہن
اب کہان جاؤ گی تم ؟

مریم - — بس جا خدا سے جا لگی

فلورنڈا — تم
کس طرح جاؤ گی یان سے ؟

مریم - — خاک اُڑاتی - ٹھوکرین -
کھاتی - ننگے پاؤن جاؤن گی بہن - اور جس طرح
بن پڑے گا - آپ کو پہونچاؤن گی بربون مین -

ساقیہ — کیون نہین جاتی ہو سبطہ مین ؟ جہان آرام سے
قصر مین اپنے پہوپہا کے زندگی بھر رہ سکو -

مریم - — خیر جاؤن گی وہین -

فلورنڈا — لیکن وہان تو ان دنون
ہو گی یورش کافرون کی ہر طرف - اور کوئی شخص
جا نہ سکتا ہو گا اندر شہر کے -

مریم - — مین جاؤن گی جیسے بنے -

فلورنڈا — تو مرا سب حال کہہ دینا -

مریم - — ضرور

فلورنڈا — اور یہ کہ اب -
مجکو جلدی وان بُلا لین

مریم - — لو خدا حافظ بہن - !
(چلی جاتی ہے)

ہمارے اس ڈراما کے چھ سین ۱۹۰۸ء کے آخر اور ۱۹۰۹ء کی ابتدا مین دلگداز کے صفحون پر شایع ہوئے تھے - پہر اُسکے بعد نوبت نہ آئی - اور یہ ڈراما ناتمام پڑا رہ گیا -

اس موقع پر اس کے ان چند ٹکڑوں کو سخن سنجان ملک کے سامنے پیش کرکے مین دریافت کرتا ہون کہ مقفی نظمون مین یہ خیالات اسی عنوان اور ایسی نثر نما ترتیب سے ادا کیے جاسکتے ہین؟ اور یا بھی گفتگو مین اسی طرح کی سادگی کے ساتھ بھرتی کے الفاظ سے بچنا ممکن ہے؟ یا نہین؟ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ ناممکن ہے۔ اور پھر اس کے ساتھ اسکا بھی خیال کیا جائے کہ اب اردو کو ڈرامون کی ضرورت ہے ایسی حالت مین سوا اسکے کہ اس قسم کے کلام کو عام اس سے کہ آپ اسے نظم معریٰ کہین یا نثر مرجز اردو مین رواج دیا جائے اور کیا کیا جاسکتا ہے۔؟

شعراے اردو سے یہ نہین کہا جاتا کہ آپ غزل گوئی اور قصیدہ خوانی کو موقوف کردین۔ یہ بھی نہین درخواست کی جاتی کہ مثنویان نہ لکھی جائین۔ نہ یہ خواہش کی جاتی ہے کہ وہ آیندہ قطعات و رباعیات یا مخمس و مسدس نہ کہین وہ اس پر بھی مجبور نہین کیے جاتے کہ خواہ مخواہ اس قسم کی نظم معریٰ وہ بھی کہا کرین۔ پھر مین نہین سمجھ سکتا کہ نزاع کس بات کی ہے؟ انتہا سے مافی الباب یہ ہے کہ اگر کوئی انگریزی مذاق اور جدید رنگ کا دلدادہ اس قسم کی نظمین شایع کرے تو جن حضرات کو وہ ناپسند ہون وہ انھین نہ ملاحظہ کرین۔ چھٹی ہوئی۔

بلینک ورس مین جب عروض کی بحرون کی پوری طرح پابندی کی جاتی ہے تو اُسے غیر موزون ہرگز نہین کہا جاسکتا۔ زیادہ سے زیادہ جو کچھ کہا جاسکتا ہے اسی قدر ہے کہ نظم کے جن اصناف سے ہم آشنا ہین یا جن کو اگلے دنون ہم نظم کہا کرتے تھے اُن کے حلقہ سے یہ انوکھی نظم خارج ہے۔ ورنہ حرف قافیہ کے نہ ہونے سے اس وضع کے اشعار کو غیر موزون کہنے کی کوئی وجہ نہین ہے۔

زمانے کی پیشین گوئی ہے کہ اس قسم کی شاعری کو اردو مین رواج ہوگا۔ اور آیندہ بڑے بڑے نازک خیال شعرا اس رنگ مین طبع آزمائی کرین گے۔ آپ چاہین منظور کرین یا نہ کرین یہ ہونے والی چیز ہے اور ع۔ گر نہ ستانی بہ ستم میرسد۔

اپنا مطلب

قدردانان دلگداز۔ اب دو باتین ہمارے مطلب کی بھی سن لیجیے۔ ہم نہایت ہی شکرگزار ہین کہ پبلک نے دلگداز کے حال پر خاص توجہ کی۔ ہمارے بہت سے احباب نے بڑی کوششین کین اور اپنے بہت سے احباب کو خریداری پر آمادہ کرادیا۔ مگر ایسے سچے مہربان افسوس کہ تھوڑے

اور چند گنتی کے احباب ہین جنھون نے ہماری التجا کو سنا اور مدد کو آمادہ ہو گئے لیکن قدردانون کی غالب جماعت نے ابھی تک اپنی بے حسی اور بے پروائی کی وضع کو نہین بدلا ہے -

مگر ہم پوری مستعدی سے اُن کی خدمتگزاری اور اُن کی علمی دلچسپیون کا سامان فراہم کرنے مین مصروف ہین - اگرچہ بعض تقدیری آفات - جگر خراش مصائب - اور دل کو خون کر دینے والے سانحون کی وجہ سے ہم دلگداز کو ابھی تک ٹھیک وقت پر نہین نکال سکے مگر ہم ہمت نہین ہارتے اور تقدیر سے لڑ رہے ہین عنقریب ہمارے ناظرین ملاحظہ فرمائین گے کہ دلگداز ٹھیک وقت اور اپنی اصلی مقررہ تاریخ پر یعنی ہر انگریزی مہینہ کی پچیسوین کو شایع ہو رہا ہے -

ہم نے ایک نیا اور بہت ہی دلچسپ ناول فلپانا شایع کر دیا - اور اب اُن لوگون کو شکایت نہین ہو سکتی جو دلگداز مین سے حصۂ ناول کے موقوف ہو جانے پر اعتراض کر رہے تھے پہلے انھین ناول کے اجزا متفرق طور پر ملا کرتے تھے - جن مین سے ایک آدھ سال کے ختم اور ناول کے مکمل ہوتے ہوتے تلف ہو جایا کرتا تھا - اور اب انھین ایک مکمل و مرتب ناول درمیان سال ہی مین مل گیا - جو اُن پہلے ناولون سے ہر بات مین بڑھا ہوا ہے - تاریخ کی ایک مکمل کتاب کے شایع کرنے کا سامان بھی کر دیا گیا ہے -

ان سب باتون کے علاوہ ہم ایک اور ناول چھپوا رہے ہین جو ختم سال پر خریداران دلگداز کو مفت دیا جائے گا - بشرطیکہ وہ ۱۹۱۱ء مین بھی خریدار رہین - خلاصہ یہ کہ ہمارے ناظرین بمقابلۂ سابق کے ہر طرح نفع مین رہین گے -

لیکن اب بھی اکثر حضرات کا ہماری درخواستون کو بے پروائی سے ٹال دینا کس قدر حیرت انگیز ہے ؟ دلگداز کی سالانہ قیمت اب صرف ایک روپیہ مع محصول ڈاک ہے اور یہ اس قدر کم ہے کہ ہمارے احباب اپنے جیبی ملنے والے سے فرمائین گے بے تکلف خریداری قبول کر لے گا - صرف اس قدر ضرورت ہے کہ انھین یاد رہے - اور اپنے کسی خادم کے لیے لب ہلانا گوارا فرمائین -

آخر مین ہم اپنی امید ظاہر کرتے ہین کہ ابکی ہمارے سب قدردان اپنے کسی نہ کسی ایک دوست کو ضرور خریدار دلگداز بنا دین گے جو کوئی دشوار امر نہین ہے -

خاکسار مہتمم دلگداز -

بزرگ شہریار ناخدا کا ہندوستان
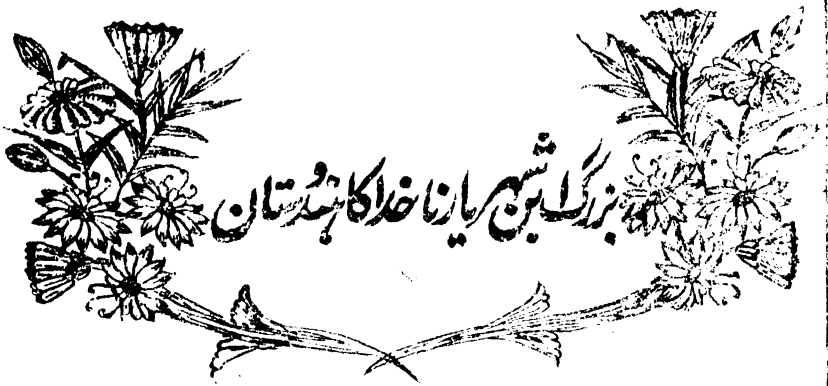
ہندوستان میں ایک خاص قسم کے چور رہا کرتے ہیں - اُن کے گروہ شہروں شہروں مارے مارے پھرتے ہیں - اور خوش حال تاجروں کے پاس پہونچتے ہیں عام اس سے کہ اسی ملک کے ہوں یا باہر کے آئے ہوے - اس کی بھی ضرورت نہیں کہ اُن کے گھر میں جائیں - کبھی راستہ ہی میں گھیر لیتے ہیں - ان چوروں کا طریقہ یہ ہے کہ جس سے لینا مقصود ہوتا ہے اُس کا سامنا ہوتے ہی چھریاں نکال لیتے اور اُسے دھمکا کے کہتے ہیں کہ اتنی رقم ہمیں دے ورنہ تجھے مار ڈالیں گے - ان لوگوں سے بچنے کا سوا مطلوبہ رقم کے دے دینے کے اور کوئی علاج نہیں ہے - اگر کوئی اُس کا دوست یا خود ملک کا راجہ بھی بچانا چاہے تو نہیں بچا سکتا - یہ لوگ اپنے مار ڈالے جانے کی پروا نہیں کرتے - اور قبل اس کے کہ کوئی شخص اُن پر جبر کرے یا اُنھیں پکڑے اُس شخص کا کام تمام کر دیتے ہیں - جہاں یہ لوگ کسی شخص کے پیچھے پڑ گئے پھر کسی کی مجال نہیں کہ اُن سے بولے یا اُنھیں ظلم سے روکے - اور چونکہ ہر شخص کو اپنی جان کا خوف ہوتا ہے لہذا اُن کے بیچ میں کوئی پڑتا بھی نہیں - نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ شخص اُنھیں کی مرضی پہ چلتا - جہاں لیجا کے بٹھائیں بیٹھتا - اور مطلوبہ رقم جہاں سے اور جس طرح بنے فراہم کر کے دے دیتا - اور اپنی جان چھڑاتا ہے - جب تک رقم نہیں ملتی یہ لوگ اُس کے سر پر چھریاں تانے کھڑے رہتے ہیں - وہ کھاتا پیتا یا جو کام کرتا ہے ان کی چھریاں اُس کے سر پہ اٹھتی ہیں جب رقم مل جاتی ہے تو مزدور پر لدوا کے اپنے گھر بھجواتے ہیں - اور جب تک آدمی روپیہ گھر پہونچا کے واپس نہ آجائے اُسے اسی طرح چھریوں میں گھیرے بیٹھے رہتے ہیں -

اور اپنا پورا اطمینان کر لینے کے بعد اُس کا پیچھا چھوڑتے ہین۔

محمد بن مسلم سیرافی جو کچھ اوپر بیس سال تک مقام تھانہ مین مقیم رہا تھا اُس نے اکثر بلاد سندھ کا سفر کیا تھا اور یہان کے لوگون کے حالات و معاملات سے بخوبی واقف تھا مجھ سے کہتا تھا کہ ایکبار اس قسم کے بارہ مُنڈچڑھے۔ شہر صیمور اور تھانہ مین آئے۔ اور ہندو تاجرون مین سے ایک شخص کو گھیر لیا۔ جس شخص کو اُنھون نے گھیرا وہ تو چندان دولت مند نہ تھا مگر اُس کا بوڑھا باپ بڑا مالدار تھا۔ اور اُس کا اکیلا یہی ایک بیٹا تھا۔ منڈچڑھون نے اُسے اُس کے گھر پر آکے پکڑا اور دس ہزار اشرفیان طلب کین۔ چونکہ باپ پر یہ رقم گران نہین گزر سکتی تھی اس لیے بیٹے نے اُسے خبر کی کہ مجھے منڈچڑھون نے پکڑ لیا ہے اور اتنی رقم مانگتے ہین آپ ہی دستگیر ہی کیجیے گا تو اس آفت سے چھٹکارا نصیب ہوگا۔ باپ نے آکے منڈچڑھون کی خوشامد کی کہ مجھ سے ایک ہزار اشرفیان لے لو۔ مگر اُنھون نے سماعت نہ کی اور کہا دس ہزار اشرفیون سے ایک کوڑی کم نہ لین گے۔ تب وہ بوڑھا راجہ کے پاس دوڑا گیا۔ اور اُس سے ساری کیفیت بیان کر کے کہا "یہ تو بڑی خرابی ہوئی۔ یہی حال ہے تو آپ کے ملک مین کوئی کیسے رہے گا؟" راجہ نے کہا "ہم اس کا کیا بندوبست کرین؟ اگر ذرا بھی بولین گے تو وہ لوگ تمھارے بیٹے کو مار ڈالین گے۔ اُن لوگون کو پکڑ کے سزا دینا امکان مین ہے۔ اور مین دے سکتا ہون۔ مگر اس سے تمھارے بیٹے کی جان نہین بچ سکتی۔ اور افسوس یہ ہے کہ یہی تمھارا ایک بیٹا ہے۔" بڈھے نے کہا "چاہے جو کچھ ہو۔ مگر مین بیٹے کے لیے فقیر و محتاج نہین ہو سکتا۔ حضور اُس مکان کے گرد لکڑیون کا ڈھیر لگوا کے آگ لگا دین تا کہ وہ سب کے سب مع مکان کے جل مرین۔" راجہ بولا "اس طرح تو تمھارا لڑکا بھی جل جائے گا۔ اور اُس کے ساتھ تمھاری بی بی بھی جل کے خاک ہو جائے گی۔ جو اُسی مکان مین اپنے بیٹے کے ساتھ ہے" بڈھا بولا "جل جائین کوئی مضائقہ نہین۔" الغرض راجہ نے اُس کی تدبیر پر عمل کیا۔ اُس کے مکان کے گرد لکڑیون کا انبار لگا کے آگ بتا دی گئی۔ اور مکان مع اس کی بی بی بیٹے اور سارے مال و اسباب کے جل کے خاک ہو گیا۔ اور اُسی مین وہ منڈچڑھے بھی جل گئے ؏

؏ عجائب الہند۔ صفحہ ۱۵۱ - ۱۵۲ -

بلاد ہند اعلیٰ (شمالی) مین بڈھون اور بڑھیون کے زندہ جلا دینے کا رسم آج تک باقی ہے۔

بلاد ذہب (سراندیپ) اور زانج (جاوا) کے راجاؤن کے دربار مین لوگ چار زانو بیٹھا کرتے ہین۔ اور اس نشست کے خلاف کسی اور وضع مین بیٹھنا آداب شاہی کے بالکل خلاف ہے۔ اس نشست کو یہان والے اپنی زبان مین ہرسیلا کہتے ہین۔ مسلمان تاجر جو ان دربارون مین جاتے انھین بھی اس کی پابندی کرنا پڑتی تھی۔ اتفاقاً ایک راجہ کے دربار مین جس کا نام "سرناتا کلسہ" (چرن ٹھاکر ؟) تھا۔ ایک مسلمان ناخدا گیا جو "جبو وکوتاہ" کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ وہ اُس کے دربار مین پہونچا۔ اور اسی ایک وضع مین بیٹھے بیٹھے اُس کے پاؤن رہ گئے۔ چنانچہ اُس نے آپ ہی آپ یہ تذکرہ چھیڑا کہ "ملک عمان مین ایک خاص قسم کی مچھلی ہوتی ہے جو کنعار کہلاتی ہے اور وہ اتنی لمبی ہوتی ہے" یہ کہہ کے اُس کے طول کا اندازہ بتانے کے لیے اُس نے اپنا ایک پاؤن پھیلا دیا۔ اور گھٹنے کو ہاتھ سے پکڑ لیا۔ پھر دوسرا پاؤن پھیلا کے اُسے کنج ران کے قریب پکڑا اور کہا "بعض اتنی بڑی ہوتی ہین۔" اُس کے یہ حرکات دیکھ کے راجہ متحیر ہوا اور اہل دربار سے پوچھا "اس وقت مچھلیون کا کون ساذکر تھا؟ اِس کی اس حرکت مین کوئی بات ضرور ہے۔" وزرا نے عرض کیا "حضور یہ بوڑھا اور ناتوان شخص ہے درباری وضع مین بیٹھے بیٹھے پاؤن دکھ گئے تو پاؤن سیدھا کرنے کے لیے اس نے یہ بہانہ پیدا کر لیا ہے۔" یہ سُن کے راجہ نے کہا "لہذا آیندہ دربار کی اس قید سے مسلمان تاجر معاف اور آزاد کیے جاتے ہین۔" چنانچہ اب یہ معمول ہے کہ مسلمان لوگ ان راجاؤن کے دربار مین جس وضع سے چاہین بیٹھتے ہین۔

ہندوستان کے عابدون اور زاہدون کی کئی قسمین ہین۔ اُن مین سے ایک گروہ بیکور کے لقب سے مشہور ہے۔ یہ لوگ دراصل سراندیپ کے رہنے والے ہین۔ اور اہل اسلام سے نہایت ہی اُنس و محبت رکھتے ہین۔ گرمیون کے موسم مین یہ لوگ بالکل ننگے مادرزاد رہا کرتے ہین سوا اس کے کہ ایک چار اُنگل کا چیتھڑا شرمگاہ پر رہتا ہے۔ ایک ڈورا کمر مین بندھا ہوتا ہے (کردھنی) اُسی نے

اُس کو اٹکا لیتے ہین - اور جاڑون مین گھاس وغیرہ کی چٹائیان اوڑھتے ہین - ان مین سے بعض ایک لنگی بھی باندھتے ہین جس مین محض دکھانے اور شہرت حاصل کرنے کے لیے ہر رنگ کے پیوند لگے ہوتے ہین - یہ لوگ اپنے بدن پر مُردون کی ہڈیون کی خاک ملتے ہین - سر منڈاتے ہین - ڈاڑھی مونچھون کے بال اُکھاڑتے ہین - مگر بغلون اور موے زہار کے دُور کرنے کی نہین کوشش کرتے - بعض بعض ناخن بھی کٹوا لیتے ہین - ورنہ نہین - اور عبرت حاصل کرنے کی غرض سے انسان کے کاسہ سر مین کھاتے پیتے ہین -

اہل سراندیپ کو جب بعثت جناب سرور کائنات صلعم کے حالات معلوم ہوے تو اپنے ایک سمجھدار آدمی کو ارض حجاز مین بھیجا کہ آپ کے حالات دریافت کر آئے - اور پتہ لگائے کہ آپ کن باتون کی دعوت کرتے ہین - اس شخص کو مدینۂ طیبہ تک پہونچنے مین دیر ہوئی اور جب پہونچا ہے آپ سفر آخرت فرما چکے تھے - ابو بکر صدیق رض نے بھی دو سال خلافت کر کے عالم آخرت کا راستہ لیا تھا - اور حضرت عمر فاروق مسند آراے خلافت تھے - اُس شخص نے حضرت فاروق رض کے سادہ دربار مین حاضر ہو کے جناب رسالتمآب کے حالات دریافت کیے - اور کل باتین معلوم کر کے واپس آیا - مگر مکران تک پہونچا تھا کہ راستہ مین مر گیا - اُس کے ہمراہ ایک ہندو لڑکا تھا جو اُسے خاک مکران کے سپرد کر کے سراندیپ مین واپس آیا - اُس نے یہان آ کے حضرت عمر رض کی تواضع و انکسار - آپ کی وضع و قطع اور آپ کے لباس کے حالات لوگون سے بیان کیے - اور کہا کہ آپ گدڑی پہنتے ہین - مسجد مین سوتے ہین - الغرض یہی حالات سن کے یہان والون کو مسلمانون سے اُنس ہو گیا ہے -

اہل ہند کے نزدیک شراب عورتون کے لیے حلال اور مردون کو حرام ہے مگر بعض لوگ چھپ کے پیتے ہین ؏

چوری ہندون مین بہت بڑا جرم ہے - اور اگر کسی نے چوری کی تو راجہ اُسے قتل کر ڈالتا ہے - اور اگر وہ دولتمند ہوا تو اُس کا سارا مال و اسباب ضبط کر لیا جاتا ہے -

؏ - صفحہ ۱۵۵ و ۱۵۷

یا اُس پر کوئی بہت ہی بڑا بھاری جرمانہ کیا جاتا ہے - علی ہذا القیاس اگر کوئی شخص جان بوجھ کے چوری کا مال خریدے تو اُس سے بھی بڑا بھاری جرمانہ وصول کیا جاتا ہے مگر اصلی سرقہ کی سزا قتل ہی ہے - لیکن اِس سرزمین پر اگر کوئی مسلمان چوری کرے تو اُسے مسلمانون کا "ہنرمن" شریعت اسلام کے مطابق سزا دیتا ہے - بلا دہند مین مسلمانون کے قاضی ہنرمن ہی کہلاتے ہین - اور ہنرمن ہمیشہ مسلمانون مین سے منتخب کیا جاتا ہے - عـــہ

معزز ہندو تاجر اور فوجی لوگ اسی طرح معزز گھرانون کی خاتونین یہان تک کہ وہ بھی جو کسی راجہ کی محبوبہ اور ملک کی ملکہ ہون گائے بیل کی لید (گوبر) سے بازارون اور راستون مین علانیہ آتی جاتی نظر آتی ہین - اور اس مین کوئی مضائقہ نہین سمجھا جاتا -

اہل ہند جانورون کو ذبح نہین کرتے بلکہ مُردار کھاتے ہین - بکری یا طائر کا سر تلوار سے کاٹ ڈالتے ہین - اور جب وہ مرجاتا ہے تو اُس کا گوشت کھاتے ہین - یہ لوگ چوہے بھی کھاتے ہین - جو یہان کی نہایت ہی لطیف غذا ہے - عـــہ

ایڈیٹر - بزرگ بن شہریار کے سفرنامہ سے ہم اِسی قدر واقعات اخذ کر سکے - اِس کے علاوہ اُس مین جو اور واقعات مذکور ہین اُن کو ہندوستان سے تعلق نہین لیکن اِن باتون کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی باتین تو بالکل صحیح ہین - اور بعض باتون مین ہندوستان کے متعلق عرب تاجرون مین غلط فہمیان بھی تھین - ہندوستان ایسا ملک ہے جس مین صدہا اقوام اور ہزارون ذاتین ہین - اور ہر ایک کی معاشرت بالکل جدا - لہذا ان سیاحون اور تاجرون مین سے اگر کسی نے کسی ایک شخص کو کوئی کام کرتے دیکھ لیا تو یہ نہین کہا جا سکتا کہ وہ عام ہندوستان مین مروج ہے - اور یہ لوگ اپنی غلطی سے اُس پر یقیناً عام راے قائم کر لیا کرتے ہونگے -

حُسن کی کرشمہ سازیان

غالباً دنیا کا کوئی حصہ اور کوئی ملک نہ ہوگا جہان عورت اور مرد کے تعلقات

عـــہ - صفحہ ۱۶۰ عـــہ ۱۶۲ -

نے نئے نئے کرشمے نہ دکھائے ہون۔ بیشک دنیا کی تاریخ اس سے بھری ہوئی ہے کہ زبردست تاجدارون اور نامور پہلوانون نے اپنے زور بازو اور اپنی شمشیر خاراشگاف سے بڑی بڑی سرکش قومون کو مغلوب و مقہور کر دیا مگر انھین کے سلسلہ مین نسبت سے ایسے واقعات بھی نظر آتے ہین جن مین عورتون نے اپنے حسن عالمگیر کی قوت اور اپنے دلربائی کے اسلحہ۔ اپنی نظر کے تیرون اور گیسوؤن کی کمندون سے اُن مشہور و معروف نامورون کو بھی مغلوب و مقہور کر دیا جو بڑی سخت اور سرکش قومون کو اپنا غلام اور تابع فرمان بنا چکے تھے۔ دلگداز مین ہم اس قسم کی حسین عورتون کے حالات کا ایک سلسلہ شروع کرتے ہین جس سے ناظرین پر روشن ہوگا کہ دنیا مین حسن زاہد فریب نے کیسے کیسے کرشمہ دکھائے ہین اور کیسی کیسی فتحین حاصل کی ہین۔

(ملک مصر مین)

زلیخا۔ یون تو ناز آفرینی و نازبرداری دلربائی و دل فروشی کی گرم بازاری عشق و محبت کے چراغ کو ہمیشہ اور ہر جگہ اُکساتی اور تیز کرتی رہتی ہے۔ مگر مصر کو اس بارۂ خاص مین ساری دنیا پر ایک نمایان فوقیت حاصل ہے۔ شعرائے عجم ترکون کے حسن و جمال کی تعریف مین ہمیشہ رطب اللسان اور ایک ترک شیرازی کے خال ہندو پر سمرقند و بخارا کو قربان کرتے رہے۔ گرجستان کے حسن و جمال کا ایک زمانہ دیوانہ ہو رہا ہے۔ اور وہ کوہ قاف کی پریان ہی ہین جو صدیون اور مدت ہائے دراز سے ایران و روم کے شاہی محلون کی زیب و زینت بنی ہوئی ہین۔ متھرا جی کی گوپیون نے سری کرشن جی کی دیوتائی کی شان مین زندہ دلی کی جان ڈالی ہے۔ مگر سرزمین مصر نے اپنی نازنین مہوشون کی دلربائی و دلفریبی کے جیسے جیسے کارنامے صفحات تاریخ پر درج کرا دیے ہین اور کسی ملک کو نہین نصیب۔ کیونکہ زلیخا اور قلوبطرہ (کلوپیٹرا) کی سی نازنین دلبرون کو کسی ملک کی تاریخ نہین پیش کر سکتی جنھون نے دلبری و دلستانی کو ایک فن بنا کے اُس مین انتہا درجہ کا کمال دکھا دیا۔

زلیخا کے حالات کو یہان تک شہرت و نمود حاصل ہے کہ توراۃ اور قرآن کے روحانی لٹریچر مین بھی اُنھین جگہ مل گئی۔ اور قلوبطرہ کے واقعات مورخین روم کے

ذریعہ سے اِس قدر مشہور ہوئے کہ آج ہر زبان کے مورخین کی زبان پر ہین- اور متین سے متین ابن تاریخ کے بیان مین بھی اُن کا تذکرہ آتے ہی ایک شاعرانہ رس اور مزہ پیدا ہوجاتا ہے- اپنے حسن و جمال کے اثر اور اپنی سحرآفرین آنکھون کے جادو بھرے تیرون سے کسی کے دل کو زخمی کر دینا ایک ایسا فن ہے جس مین ہر ملک کے حسین کمال رکھتے ہین- اور ہر جگہ کے عشاق خستہ جگر اپنے دلربا ؤن کی بے رحمی کی شکایت کر رہے ہین- رومی شاعر اووڈ کی مثنوی "آرٹ آف لو" (فن عشق بازی) کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ روم کی نازآفرین حسینین کس خوبصورتی سے دل چھین لیا کرتی تھین- اور اُن کے ہاتھون سے عشاق کیسے دل برشتہ ہو رہے تھے- مگر مصر کی یہ دونون عالم حسن کی ہیروئنین جنھون نے دلستانی کی معرکہ آرائیون مین قیامت تک یادر ہنے والی فتحین حاصل کی تھین سب سے بڑا یہ امتیاز رکھتی ہین کہ اپنے حسن کے موثر بنانے اور اپنے تیر نظر مین جہانگیری کی قوت پیدا کرنے مین اُنھون نے جو کمال دکھا دیا اور کہین کی نازک اداد لربائین نہین دکھا سکین-

زلیخا کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت یوسف کو اُن کے نامہربان بھائیون نے صحرائے عرب کے ایک اسماعیلی قافلہ والون کے ہاتھ بیچ ڈالا تو وہ لوگ آپ کو لے کے مصر کے بازار حسن مین پہونچے- اور قطیفر نام ایک معزز عہدہ دار مصر کے ہاتھ فروخت کر ڈالا جو دربار فراعنہ مین وزیر خزانہ کی خدمت پر مامور تھا- اور عزیز مصر کہلاتا تھا- عزیز نے حضرت یوسف کو لا کے اپنی بی بی کے سپرد کیا- جس کا نام مورخین سلف کے نزدیک تو راعیل[ع۵] تھا مگر خدا جانے کیونکر ایران و ہند کے متاخر شعرا و مورخین مین "زلیخا" مشہور ہو گیا- اور چونکہ اس معزز خاتون کا یہی نام ایران و ہندوستان کے بچہ بچہ کی زبان پر ہے- لہذا ہم بھی اُسے اِسی مشہور نام سے یاد

ع۵ - توراۃ اور قرآن مجید مین اِس خاتون کا کوئی نام نہین بتایا گیا ہے اور وہ "عزیز کی جورو" یا "امراۃ العزیز" کے الفاظ سے یاد کی گئی ہے- عرب کے قدیم مورخ ابن اثیر وغیرہ اِس محترم و مشہور خاتون کا نام "راعیل" بتاتے ہین- مگر اب مسلمانون مین اُس کا نام زلیخا مشہور ہے-

کرتے ہین۔ عزیز نے حضرت یوسف کو اپنی بی بی کے حوالے کرتے وقت یہ ارادہ ظاہر کیا تھا کہ چونکہ ہم لاولد ہین اس لیے اِس خوبصورت کنعانی لڑکے کو بیٹا بنا کے پالین گے۔

جب آپ بڑے اور جوان ہوے اور آپ کے حُسن و جمال مین جوانی کی دلربائی نے جلوہ دکھا دیا تو زلیخا آپ کی صورت پر فریفتہ ہو گئی۔ اور اپنے دام مین گرفتار کرنے کے لیے طرح طرح کی تدبیرین کرنے لگی۔ مگر ایک معصوم پیمبر زادے کے قدم کو لغزش ہونا غیر ممکن تھا۔ کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ تب اُس نے مولانا جامی کی روایت کے مطابق ایک مکان کو ایسے طریقہ سے سجا اور آراستہ کیا انسان کیسا ہی بے حس ہو اُس مین قدم رکھتے ہی اُس کے دل مین ایک شورش عشق پیدا ہو جائے۔ ہر طرف در و دیوار مین ایسی تصویرین لگی ہوئی تھین جنھین دیکھ کے دل ہاتھون سے جاتا رہتا۔ اور ممکن نہ تھا کہ انسان اپنے دل پر قابو رکھ سکے۔ اُس مکان کے اندر زلیخا یوسف کو تنہا لے گئی۔ سب دروازے بند کر لیے۔ اور کمال بیتابی عشق کے ساتھ یوسف سے لپٹ گئی۔ یہان کے عالم کو دیکھ کے یوسف بھی از خود رفتہ ہو گئے۔ قریب تھا کہ اُس کے دام زلف مین گرفتار ہو جاتین مگر ساتھ ہی متنبہ ہوا اور بے اختیار بھاگے۔ زلیخا نہایت ہی بیتابی سے پیچھے دوڑی اور دامن پکڑ لیا۔ مگر یوسف نے ایسی بے اختیاری سے جھٹکا دیا کہ دامن پھٹ کے اُس کے ہاتھ مین رہ گیا۔ اور یہ دروازہ کھول کے باہر نکل پڑے۔

باہر نکلتے ہی عزیز کا سامنا ہو گیا جس نے دونون کو اس حالت مین دیکھا کہ آگے آگے تو نہایت بدحواسی کے عالم مین یوسف ہین۔ پیچھے اُس کی بیوی ہے اور یوسف کا پھٹا ہوا دامن اُس کے ہاتھ مین ہے۔ یہ دیکھ کے اُدھر تو وہ بھونچکا رہ گیا۔ اِدھر اِن دونون کا یہ عالم ہوا کہ "کاٹو تو لہو نہ تھا بدن مین" مگر زلیخا کی پُرفتن طبیعت اور پُرفن فطرت نے اُسے سنبھالا۔ شوہر کی طرف دیکھ کے بے تحاشا چلائی "تمھاری بی بی کے ساتھ جو کوئی بُرا ارادہ کرے اُس کی سزا قید کے سوا بھلا اور بھی کچھ ہو سکتی ہے؟" یہ سُن کے یوسف مین تاب نہ رہی۔ بولے "خود ہی تو میرے پیچھے پڑی ہوئی ہین۔ اور اُلٹے مجھی کو الزام دیتی ہین۔ مین جان بچا کے بھاگا تو میرے پیچھے دوڑین اور میرا دامن پھاڑ لیا" اب عزیز مصر متردد

تھا کہ کیا فیصلہ کرے اور کسے الزام دے کہ اُس کا چچا زاد بھائی جو اتفاقاً اُس کے ساتھ تھا بولا "کُرتے ہی کے دیکھنے سے دونوں کا جھوٹ سچ کھل جائے گا - اگر یوسف کے کُرتے کا اگلا دامن پھٹا ہو تو جانیے کہ زلیخا سچی ہیں اور یوسف جھوٹے ہیں - اور اگر پچھلا دامن پھٹا تو سمجھ لینا چاہیے کہ یوسف سچے ہیں - اور یہ جھوٹی ہیں" اِس تجویز کے مطابق کُرتے کا جو معائنہ کیا گیا تو نظر آیا کہ پچھلا دامن پھٹا ہوا ہے - اس ثبوت کے بہم پہونچتے ہی زلیخا کا سر ندامت سے جھک گیا - اور عزیز نے بی بی کی طرف دیکھ کے کہا "یہ تمھارا ہی فریب ہے - سچ یہ ہے کہ تم لوگ بڑے ہی مکار ہوتے ہو - بی بی کو سزا کیا دیتا؟ اور پھر عزیز کا سا ناکارہ آدمی؟ جس کی نسبت مشہور تھا کہ عورتوں کے کام ہی کا نہیں ہے - اِس واقعہ کو اتنے ہی پر ٹال دیا کہ زلیخا سے کہا "بی بی سارا قصور تمھارا تھا - لے اب اپنے گناہ سے توبہ کرو - اور پھر ایسا نہ ہو"

یہ تو پہلا موقع تھا جبکہ زلیخا نے اپنے حُسن و جمال کے اثر - اپنے ناز و انداز اور اپنے کمال دلبری سے ایک پیمبر زادے کے دل پر فتح پانے کی کوشش کی تھی - مگر چونکہ پیمبری کے دامن عفت میں دھبہ لگانا کوئی آسان کام نہ تھا - بالکل کامیاب نہ ہو سکی تھی - لیکن ایک دوسرے موقع پر جب اُس نے حُسن کی کرشمہ سازیاں دکھانے کے ہنر میں کمال چابکدستی دکھا کے اِس بات کی کوشش کی کہ حُسن یوسف کا اثر تمام پری وش خاتون مصر کے دلوں پر ڈال دے اور اپنے آپ کو معذور ثابت کرے پوری طرح فتحیاب ہوئی -

یہ سین بھی نہایت ہی دلفریب تھا - اور سوا مصر کی سرزمین کے اور کہیں شاید نہ نظر آیا ہوگا -

اِس کی بنا یہ تھی [illegible] زلیخا کے دل ہاتھ سے دے بیٹھنے کا حال جب اُمرائے مصر کے گھروں میں مشہور ہوا اور تمام معزز خاتونیں اُنگلیوں کو دانتوں سے کاٹ کاٹ کے زلیخا کو الزام دینے لگیں کہ "دلی شوق پورا کرنے کے لیے ایک غلام ہی تھا - زلیخا کو کوئی شریف زادہ نہ ملتا تھا؟" تو اپنے سر سے یہ الزام اُٹھانے کے لیے زلیخا نے ایک دن تمام خاتونان مصر کی دعوت کی - جس میں بڑا ہی تکلف کا سامان کیا - دوگھرے

نہایت دولتمندی سے آراستہ کیے - جدھر نظر جاتی سونے کی جھالرین جھلک رہی تھین - زرد مخمل کا فرش بچھایا گیا تھا - ہر طرف دیبا و حریر کے پردے لٹکائے گئے تھے - اور اُنکی آراستگی مین کوئی دقیقہ نہین اُٹھا رکھا گیا تھا - پھر ایک کمرے مین اُس نے چابکدست مشاطاؤن کو حکم دیا کہ یوسف کو بنا چُنا کے دولھا بنا دین - آپ کے بالون مین کنگھی کرکے موتی پروئے گئے - حریر زرد کے کپڑے پنھائے گئے جس مین سنہرے رو پہلے اور سرخ گل بوٹون پر سبز رنگ کی چھوٹی چھوٹی چڑیان بٹھائی گئی تھین - اطلس سرخ کا پائجامہ اور سر پر موتیون اور جواہرات کا مرصع تاج پنھایا - اُس تاج کے نیچے سے آپ کی خم درخم زلفین نکلی ہوئی تھین جو پیشانی پر مارپیچان کی طرح بل کھانے کے بعد چہرے کے گرداگرد چکر کھاتی ہوئی سینہ پر لٹکا دی گئی تھین - ادھر اُدھر دونون رخسارون پر دوزلفین بچھوؤن کے ڈنک کی طرح مناسب خم کے ساتھ نکال دی گئی تھین اور باقی زلفین پیٹھ پر بکھری ہوئی تھین جن مین موتی گوندھکے اور طلائی موباف ڈال کے عجب پرلطف جال شانون اور پیٹھ پر پھیلا دیا گیا تھا - دونون کانون مین دو اعلیٰ درجہ کے موتیون کے گوشوارے پڑے تھے - گلے مین طلائی مرصع طوق تھا - کمر مین سونے کا ٹپکا تھا جس مین یاقوت کی گھنڈیان اور موتیون کی جھالرین لگی تھین -

جب حضرت یوسف اِس طرح بنائے چُنائے اور سنوارے جا چکے تو دوسرے اُس سے زیادہ پُرتکلف کمرے مین دسترخوان بچھایا گیا - جس پر تمام حسین و نازآفرین مہمانون نے بیٹھکے ہر قسم کے الوان نعمت کا لطف اُٹھایا - اِس کے بعد جام شراب کا دور چلا - اور شراب کے بعد جب میوہ خوری کا وقت آیا تو ہر خاتون مصر کے سامنے ایک ترنج اور ایک چھُری لاکے رکھدی گئی - تاکہ اُنھین کاٹ کے کھائین - ابھی وہ پھلون کو کاٹنے نہین پائی تھین کہ زلیخا نے اُن سب خاتونون کی طرف متوجہ ہوکے کہا "بی بیو - مین نے سنا ہے کہ ایک غلام کے متعلق تم سب مجھے الزام دیتی ہو - کیا یہ سچ ہے؟" سب نے کہا ہان سچ ہے ہمارے خیال مین آپ کا حسن و جمال اِس مرتبہ کا ہے کہ اُس پر بادشاہون اور شاہزادون کی نظرین پڑنی چاہیئے تھین نہ یہ کہ ایک غلام پر فریفتہ ہوکے آپ اپنی بے قدری کردین!" زلیخا نے کہا "مگر تم اِس امر کا صحیح اندازہ نہین

کر سکتی ہو"۔ پھر حکم دیا کہ مغرب کی طرف کے زربفت کے پردے اُٹھا کے حضرت یوسف لائے جائین۔ مشاطائین اُسی شان رعنائی سے یوسف کو اندر لائین۔ صبح کا وقت تھا اور اِس کا پہلے سے انتظام رکھا گیا تھا کہ یوسف جیسے ہی اِس کمرے مین داخل ہون اُن کے چہرے پر آفتاب کی شعاعین پڑین چنانچہ آپ لائے گئے۔ سورج کی نرم شعاعون نے چہرے پر سنہرا پانی پھیر کے آپ کے حُسن کو اور چمکا دیا۔ یہ معلوم ہوا کہ آسمان سے کوئی فرشتہ اتر آیا ہے یا آسمانی حسن دنیا مین جلوہ افروز ہو گیا۔ ساری خاتونین مبہوت اور بت بن کے رہ گئین۔ زلیخا نے کہا "کیون کیا ہوا؟ یہ تم باتین کرتے کرتے رُک کیون گئین؟" سب نے جواب دیا "یہ انسان نہین فرشتہ ہے"۔ اِس کے بعد سب نے ترنج کاٹنے کا قصد کیا تو بے اختیاری و بے خودی مین ترنجون کے عوض اپنی اُنگلیان کاٹ لین اُن کی یہ حالت دیکھ کے زلیخا بولی "یہی وہ غلام ہے جس کے بارے مین مجھے الزام دیا جاتا ہے۔ اور یہی ہے جس پر تم سب مجھے لعنت ملامت کرتی تھین۔ مگر تمھین انصاف کرو کہ ایسے جوان رعنا کو انسان چاہے نہ تو کیا کرے"۔ اب سب نے زلیخا کی معذوری تسلیم کر لی۔ تو زلیخا نے اُن سے التجا کر کے کہا "جب تمھارا یہ خیال ہے تو خدا کے لیے اسے سمجھا بجھا کے راضی کر دو"۔ اب سب عورتون نے اُٹھ اُٹھ کے حضرت یوسف کو فریب دینا شروع کیا اور بجائے اِس کے کہ وہ زلیخا کی وکالت کرتین۔ آپ کو خود اپنی طرف مائل کرنے لگین۔ مگر بظاہر زلیخا ہی کی سفارش کر رہی تھین۔

درحقیقت یہ بھی نہایت ہی موثر سین تھا کہ حضرت یوسف بیچ سجائے دولھا بنے ہوئے خاموش کھڑے ہین۔ اور مصر کی ساری حسین و پری جمال عورتین لباس فاخرہ اور زیور پہنے اور ہر قسم کا بناو چناو کیے ہوئے آپ کو یا تو زلیخا کی طرف متوجہ کرتی ہین اور یا اپنے دام مین پھانسنا چاہتی ہین۔ بے شک یہ زلیخا کا پہلے سے بھی بڑھا ہوا فریب تھا۔ مگر پیمانہ عصمت اس پر بھی غالب آئی۔ اور کسی کا زور نہ چلا۔ یہان تک کہ زلیخا جب بالکل عاجز و مایوس ہوئی اور کوئی زور نہ چلا تو آپ کو قید خانہ مین بھیجدیا۔

عربی زبان اور اُس کی نحو و صرف

آج کل دنیا کی مشہور و متداول زبانون مین سے اکثر یا تو خالص آریہ قوم کی زبانین ہین یا آریون کی زبان سے نکلی ہین۔ مگر دنیا مین روز بروز ثابت ہوتا جاتا ہے۔ کہ آریہ قوم کے عروج سے پہلے ساری مہذب دنیا مین بنی سام کا دور دورہ تھا۔ اور اُنھین کی زبان اطراف عالم پر چھائی ہوئی تھی۔

اُن کی زبانین سریانی کلدانی عبرانی۔ اور غالبًا قبطی تھین۔ اور مشرق مین بابل و نینوا کا زور و شور رہا اور مغرب مین فراعنۂ مصر کا تو ساری دنیا کی تہذیب و تمدن کا مرکز یہی سامی زبانین بن گئین اور انھین کے علم و ہنر کے باغ سے آگے یونانیون نے خوشہ چینی کی۔

مگر اِن سلطنتون اور قوتون کے فنا ہوتے ہی آریہ قوم اور اُس کی زبان کا عروج شروع ہوا۔ اور بنی سام کی زبانین مغلوب اور دنیا سے معدوم ہونے لگین۔ اس انقلاب مین بنی سام کی اور زبانین تو سب مٹ گئین یا مٹنے کے قریب ہین۔ اور اگر ہین بھی تو گمنام اور بےنام و نشان۔ فقط ایک عربی زبان باقی ہے جو سب کی وارث ہے۔ اور جس نے آریون کے غالب آنے کے بعد اُن کو مغلوب کیا۔ اور اُن سب پر اپنا سکہ جما دیا۔ یہی حضرت سلیمان کے جاہ و جلال اور حضرت یوسف کے حسن و جمال کو یاد دلاتی ہے۔ اور یہی بابل و اسیریا کے دربارون کی یادگار ہے۔ یہی ملک سبا اور تبابعۂ یمین کی ترقیون اور عالمگیریون کا افسانہ سناتی ہے۔ اور یہی صابئین کے علم و فضل اور کمالات روحانی کی خبر دینے والی ہے۔ اس بحث سے بھی قطع نظر کر لیجیے کہ یہ عبرانی سے نکلی ہے یا عبرانی اِس سے۔ اور اِس ذکر کو بھی جانے دیجیے کہ عبرانی زیادہ قدیم ہے یا عربی۔ (جس مین کہ فاضل زمانہ جسٹس مولانا سید کرامت حسین صاحب جج ہائی کورٹ الہ آباد نے بہت کچھ بحث کی ہے) مگر یہی کیا کم ہے کہ جو اثر دنیا اور دنیا کی زبانون پر عربی زبان نے ڈالا اور جیسا بقائے دوام عربی کو حاصل ہو گیا ہے نہ کسی اور سمٹک زبان کو نصیب ہوا تھا اور نہ کسی آرین زبان کو۔ عربی کے مقابلہ کی زبانین صرف سنسکرت۔ یونانی اور لاطینی ہین۔ جو

آرین اسٹاک کی زبانین سمجھی جاتی ہین - مگر وہ سب دوسری نوزائیدہ زبانون مین اپنے الفاظ پریشان چھوڑکے دنیا سے رخصت ہوگئین۔ سنسکرت کے اثر کا حلقہ سرحد چین سے لے کے ایران کی مغربی سرحد تک ہے۔ جس مین بیسیون زبانین ہین۔ اور سب سنسکرت کی بیٹیان ہین۔ کیونکہ وہ ہر صوبہ کے اصلی باشندون کی زبان اور سنسکرت کے امتزاج سے پیدا ہوئی ہین۔

ایران سے حدود شام تک بابل و نینوا کی قدیم سمٹک زبانون کا حلقہ تھا اور وہان سے آگے بڑھ کے انتہائی حدود مغرب تک یعنی مغربی حصۂ ایشیا اور سارے یورپ مین یونانی اور لاطینی زبانون کا دخل وعمل تھا۔ جہان کے لوگون کی اصلی زبانون پر ان دونون زبانون نے حکومت کر کے نئی زبانین مروج کین۔ جو آج کل یورپ کی ترقی کے ساتھ اوج کمال پر پہونچ رہی ہین۔ ان دونون زبانون نے جو آرین اسٹاک کی زبانین تھین بحیرۂ روم کے جنوبی سواحل پر اُتر کے افریقہ پر بھی اپنا اثر ڈالا جہان کہ فراعنہ کی قدیم قبطی زبان کا اثر پڑا ہوا تھا۔

غرض دنیا کی یہ حالت ہو رہی تھی کہ مشرق مین سنسکرت اور اُس کی سگی بہن پہلوی زبانین اپنی نوعمر بٹیان چھوڑکے مرچکی تھین۔ بابل اور اسیریا کی زبانون کا بھی چراغ گل ہوچکا تھا۔ جنوب مین فراعنہ کی زبان کا نام ونشان بھی نہین باقی رہا تھا۔ مغرب مین یونانی اپنے مصنفون کے ساتھ قبر مین دفن ہوچکی تھی۔ اور لاطینی دین عیسوی کی مقتدائی کا عصا ہاتھ مین لے کے بڑھاپے اور کمزوری کی گھڑیان پوری کر رہی تھی کہ عربی اپنے وطن کے پہاڑون اور بالو کے ٹیلون سے نکل کے متمدن دنیا مین آئی۔ اور چند روز مین اقوام عالم کے ساتھ السنۂ عالم پر بھی چھاگئی۔

اسلام سے پیشتر عربی زبان جزیرہ نمائے عرب کی حدون کے اندر بند تھی۔ اگرچہ جنوبی عرب کی حمیری زبان جو عربی ہی کی ایک شاخ تھی کسی قدر متمدن زبان تھی۔ اور قدیم الایام کے بڑے بڑے کارنامون اور حیرت انگیز ترقیون کی جزو تھی۔ یہان تک کہ اُسی کی برکت سے ارض حبشہ کی موجودہ زبان پیدا ہوئی ہے مگر شمالی عربی یعنی ارض حجاز کی لغت قریش نے یہان تک دینی دنیوی عروج حاصل

گیا کہ اُسے بھی مغلوب کر کے اپنا بنا لیا -

نیز اسلام کے طلوع سے پہلے عربی زبان مین بہت سے اختلافات تھے - بلکہ یون کہنا چاہیے کہ ہر بڑے قبیلہ اور ہر حصۂ عرب کی زبان جداگانہ تھی - مگر یہ اختلافات صرف محاورات یا بعض حروف کے مخارج اور طرز ادا مین تھے یعنی یہ نہین کہا جا سکتا تھا کہ کوئی دوسری زبان عرب مین بولی جاتی تھی - یا اتنا فرق تھا کہ ایک صوبہ کی زبان کو دوسرے صوبہ والے سمجھ نہ سکین - اِس زبان مین فصاحت بھی تھی بلاغت بھی تھی - مگر عالم کی نظر سے چھپی ہوئی - اپنی لسانی خوبیون کی قدر کرنے والے وہ خود آپ ہی تھے - دوسری قومین ہنوز تیار نہ تھین کہ اُن کی فصاحت اور جادو بیانی کی داد دے سکین - اُن دنون اظہار فصاحت کے میدان یا چند میلہ اور بازار تھے جہان قبائل عرب تمدنی اغراض سے جمع ہو جاتے تھے - یا عرصہ ہاے کارزار تھے جہان وہ اپنی شجاعت و جوانمردی کا نغمہ خود ہی سناتے اور خود ہی سر دُھن لیتے اور اپنی پُر اثر رجز خوانی سے اپنی رگ حمیت کو جوش مین لاتے - یا شاہان یمن وحیرہ و بلقا کے دربار تھے جہان قصیدہ خوانی کر کے وہ کچھ دولت حاصل کر لیتے - یا کسی عزیز و قریب کے دوست کی لاش تھی جس پر کھڑے ہو کے مرثیہ خوانی کرتے - یہ وہ مقامات تھے جہان اُن کی نظمین سُنی جاتین - رہی نثر اُس مین اُن کے کمالات کبھی تو کسی کاہن یا کاہنہ کی گفتگو مین نظر آتے کبھی کسی اخلاقی حکیم کے پند و نصائح مین - اور کبھی کسی خطیب کے برجستہ خطبون مین -

مگر یہ لٹریری خزانہ ابھی تک صرف دماغون اور حافظون مین محفوظ تھا - کیونکہ کوئی خط نہین ایجاد ہوا تھا - صرف ایک حمیری خط جنوبی عرب مین تھا جس سے تصنیف و تالیف کا کام نہین لیا گیا تھا - اس سے اگر مدد لی جاتی تھی تو صرف خط و کتابت اور نامہ و پیام مین - قریش مین آن حضرت صلعم کی ولادت سے چند ہی روز پہلے ارض حیرہ یعنی ایران کے سرحدی صوبۂ عرب سے ایک رسم خط حاصل کیا گیا تھا - جس کے جاننے والے چند گنتی کے اہل مکہ تھے - آپ کی تعلیم نبوت کے ساتھ ہی ساتھ اِس خط کو فروغ ہوا جس کے دو ایک نمونہ یورپ کے عجائب خانون مین موجود ہین اور اُن کے فوٹو جا بجا مل سکتے ہین - اِس مین شک نہین

کہ موجودہ عربی رسم خط کا نقش اولین وہی تھا- مگر اس قدر ناقص اور غیر مکمل کہ نہ نقطہ ہین اور نہ اعراب-

اب قرآن نازل ہوا- اور اُس کے لکھنے اور نیز تعلیم و تلاوت کی لازمی ضرورت سے اِس رسم خط نے خود بخود ترقی کرنا شروع کی- ابتدائی فتوحات کے وقت جب عرب- ایران- شام- روم اور مصر وغیرہ کی فتوحات و ملک گیری مین مشغول تھے اُنھین سوا، اعلاء کلمۃ اللہ کی دھن کے اور کسی بات کا خیال نہ تھا- رجز خوانی اور مرثیہ گوئی تو البتہ بھی باقی اور سب طرح کی نظمون کا بازار سرد تھا- ہان افسران فوج سے مراسلت کرنے کی ضرورت سے ایک خاص قسم کی سادی انشا پردازی ترقی کرنے لگی تھی جس کی فصاحت و بلاغت کا معیار صرف نظم قرآنی کا تتبع تھا-

فتوحات کے بعد ضرورت ہوئی کہ شرفاے عرب جو مدت دراز تک جہاد مین مصروف رہ کے رٹائر ہوئے تھے اور صحراے عرب کی تلخی و ترشی کی معاشرت سے آشنا ہو گئے تھے ایسے مقامات پر آباد کیے جائین جو نہ عرب سے باہر اور دور ہون اور نہ دشت عرب کے اندر واقع ہون- اور جہاد و فوج کشی کی ضرورتین بھی اِس بات کی متقاضی تھین کہ نو مفتوح ممالک کی سرحدون پر عربون کی نوآبادیان قائم کر دی جائین تاکہ ضرورت کے اوقات مین بہت جلد اسلامی لشکر مرتب کر لیے جا سکین اور وہ چند ہی منزلون کی مسافت طے کر کے رزمگاہ مین پہونچ جایا کرین- خصوصاً جب عرب خاندان بلاد دور دراز مین جا جا کے آباد ہونے لگے تو اِس کی ضرورت اور زیادہ محسوس ہوئی- اسی ضرورت سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ مین عراق کی سرحد پر کوفہ اور بصرے کی نوآبادیان قائم ہوئین- جہان اُن تمام شرفاے عرب نے جو ایران سے لے کے سندھ اور ترکستان تک جوہر سپہ گری دکھا چکے تھے سکونت اختیار کی اور اپنے گھر بنا کے رہنے لگے- ایسی ہی عربی بستیان دمشق اور اسکندریہ کے پاس بھی قائم ہو گئی تھین- مگر اطمینان سے بیٹھنے کا جیسا موقع کوفہ اور بصرہ والون کو ملا کہین کے عربون کو نہین ملا- اِس کی وجہ یہ تھی کہ مشرق کی طرف کوئی ایسی سلطنت نہین باقی رہی تھی جو اسلامی سلطنت کے مقابل صف آرا ہونے کی جرأت کر سکتی- بخلاف اسکے

دمشق روم کی مشرقی سلطنت کی سرحد پر تھا جس سے چھ سات سو برس تک اسلامی سلطنتون سے لڑائیان ہوتی رہین - اور اسکندریہ کے عربون کا رُخ افریقہ کی طرف تھا جہان روز نئے نئے فتنے پیدا ہوتے تھے - اور جدھر سے آبنائے جبرالٹر کا نالہ پھاند کے اُنھون نے گاتھک سلطنت کا خاتمہ کیا اور یورپ کے جنوب و مغربی حصہ مین اپنی سلطنت قائم کرلی -

عراق یعنی کوفہ و بصرہ کے عربون کی فارغ البالی کا ایک بڑا سبب حضرت علی اور جناب معاویہ کی لڑائیان بھی ہوئین - کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی مین کوفہ والون نے کبھی پورے جوش اور سچے دل سے آپ کا ساتھ نہین دیا - اور آپ کی شہادت کے بعد جب بنی امیہ کی سلطنت قائم ہو گئی تو اُنھون نے اُن لوگون کو فطرۃً بے وفا خیال کرکے یا یہ سمجھ کے کہ یہ لوگ ہمارے سچے دوست نہین ہو سکتے اِن سے لشکرکشی اور معرکہ آرائی مین بہت کم کام لیا - نتیجہ یہ ہوا کہ کوفہ اور بصرے والون کو میدان جنگ کے مشغلون سے فراغت حاصل ہوتے ہی زبان عرب قواعد منضبط کرنے اور لٹریری مشاغل مین مصروف ہو جانے کا پورا موقع مل گیا - چنانچہ سب سے پہلے جو شہر عربیت کے مستند اسکول بنے یہی دونون شہر کوفہ اور بصرہ تھے جن پر مباحث نحوی و صرفی اور فصاحت و بلاغت کے مسائل مین آج تک استناد کیا جاتا ہے -

سب کے پہلے ابوالاسود دؤلی نے علم نحو کی تدوین کی بنیاد ڈالی - جو بصرے مین اقامت گزین تھے - ابوالاسود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صحبت یافتہ آپ کے شاگرد اور کبار تابعین مین تھے - حضرت علی نے اُن کو زبان عرب کے چند قواعد کی تعلیم دی تھی - اُن قواعد کو ضروری اور نہایت قیمتی خیال کر کے ابوالاسود نے جناب امیر کی خدمت مین عرض کیا کہ "اضع نحو ما صنعت" نحو کے معنی مثل کے ہین - مطلب یہ کہ "اجازت ہو تو جیسے قواعد آپ نے بنائے ہین ویسے ہی مین بھی بناؤن" حضرت علی نے اجازت دی - اور ابوالاسود نے چند اور قواعد بنائے اور اُسی لفظ نحو کی رعایت سے اُس فن کا نام نحو رکھ دیا -

~~ابوالاسود ابتداءً اُن قواعد کو لوگون سے چھپاتے اور قیمتی جواہرات کی طرح~~

حضرت علیؓ اجازت دی - اور ابوالاسود نے چند اور قواعد بنائے - اور اُسی لفظ نحو کی رعایت سے اُس فن کا نام ہی "نحو" رکھ دیا -

ابوالاسود ابتداءً اُن قواعد کو لوگون سے چھپاتے اور قیمتی جواہرات کی طرح پوشیدہ رکھا کرتے تھے - یہان تک کہ زیاد نے جو ابوالاسود کی زباندانی سے واقف تھا اپنے عہد حکومت عراق مین اُنھین بلا کے کہا "آپ کچھ ایسی باتین قلمبند کر دیجیے جن سے لوگون کو کتاب اللہ کی تعلیم مین مدد ملے" ابوالاسود نے صاف جواب دیا کہ "مجھے معاف رکھیے" اور اپنے گھر چلے آئے - لیکن اس کے چند ہی روز بعد دو ایسے واقعہ پیش آئے کہ اُنھین اپنی ضد چھوڑنی پڑی - ایک مرتبہ تو یہ ہوا کہ کسی قاری قرآن کو تلاوت کرتے سنا جو آیۂ کریمہ اِنَّ اللّٰہَ بَرِیٌٔ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ وَرَسُوْلُہٗ مین "رَسُوْلُہٗ" کی جگہ "رسولِہ" پڑھ گیا - آیت کا اصل مطلب تو یہ تھا کہ "خدا اور رسول مشرکون سے بری الذمہ ہین" مگر اعراب کی اِس غلطی سے یہ مطلب ہو گیا کہ "خدا مشرکون اور اپنے رسول سے بری الذمہ ہے" سنتے ہی ابوالاسود کانپ گئے - اور کہا - "مین یہ نہین سمجھتا تھا کہ لوگون کی یہ حالت ہوئی ہے" دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ "سعد" نام ایک فارسی الاصل نومسلم شخص نے ابوالاسود کے کسی سوال کے جواب مین ایک ایسا فقرہ کہا جس مین "اِنّ" کی خبر کو بجاے زیر کے پیش دے دیا - جس پر تمام گرد و پیش کے لوگ ہنس پڑے - اور ابوالاسود نے کہا "ان غلامون نے دین اسلام اختیار کیا اور ہمارے بھائی بن گئے ہین - بہتر ہو گا کہ ہم اُنھین زبان کی تعلیم دین"

ملک کے بہترین جدید تصانیف

معرکۂ مذہب و سائینس - انگریزی زبان کے عالی مرتبہ مصنف اور گران پایہ محقق "ڈریپر" کو جو شہرت و ناموری حاصل ہے محتاج بیان نہین - اور اُس کی کتاب "کانفلکٹ بٹوین ریلیجن اینڈ سائینس" علمی دنیا مین جس وقعت و ادب کی نگاہون سے دیکھی جاتی ہے اُس سے بھی زمانہ بخوبی واقف ہے - مگر اس کتاب کی آخری بہت بڑی فضیلت یہ ہے کہ اِسے اردو کا مترجم بھی اس پایہ کا نصیب ہوا جیسا کہ خود مصنف تھا - مولوی ظفر علیخان

صاحب بی - اے کی لٹریری قابلیت علمی وقعت - اُن کے اعلیٰ ذوق انشاپردازی اور اُن کے نکھرے ہوئے سچے اور مقبول عام مذاق سخن سے اردو کا کوئی پڑھا لکھا شخص نہ ہوگا جو واقف نہ ہو - اور دراصل اُن کا اردو پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ ایک ایسی اعلیٰ درجہ کی علمی کتاب کو اُنھون نے فصیح و بلیغ اردو کا لباس پہنا کے شایع کر دیا - جو ۲۰×۲۶ پیمانہ کے ۴۸۷ صفحون پر ختم ہوئی ہے - کاغذ عمدہ ولایتی لگایا گیا ہے - اور چھپائی نہایت صاف واضح اور روشن ہے - اصل کتاب کے صفحات کے علاوہ ابتدا مین ۹ صفحون پر کتاب کی مفصل فہرست ہے - جس مین سائنس کی ابتدا - مسیحیت کے آغاز - مسائل توحید - ماہیت روح - ماہیت عالم - عمر زمین - معیار حق - اور نظام عالم - کے متعلق مذہب اور سائنس کی نزاعون سے مفصل اور عالمانہ و محققانہ بحث کی گئی ہے - اور آخری تین بابون مین لاطینی مسیحیت اور سائنس کے ساتھ تمدن جدید کے تعلقات - اور جو خطرہ کہ اب آنے والا ہے اُس کو بیان کر کے کتاب ختم کر دی گئی ہے - فہرست کے بعد مشہور فاضل زمانہ مولوی محمد عبدالحق صاحب بی - اے کا ایک مقدمہ ہے جو ۷ صفحون پر ختم ہوا ہے اور نہایت ہی قابلیت اور دقت نظر سے لکھا گیا ہے - اس کے بعد خود مترجم صاحب نے ۱۲ صفحون پر مصنف کی لائف لکھی ہے - اور ۱۲ ہی صفحون پر خود مصنف کے دیباچے کا ترجمہ ہے - اِن تمہیدی چیزون کے بعد اصل کتاب شروع ہوئی ہے - جس کے صفحات ہم بتا چکے ہین - الغرض نہایت ہی نادر و بے مثل کتاب ہے جیسی کہ اُردو کو کم نصیب ہوتی ہین -

خوشی کی بات ہے کہ انجمن اردو حیدرآباد دکن نے اس کتاب کو اپنے سلسلۂ مطبوعات مین لے کے قوم کی طرف سے قدردانی کا حق ادا کر دیا ہے - یہ کتاب نواب محسن الملک بہادر مرحوم کے نام سے ڈیڈیکیٹ کی گئی ہے - اور افسوس کہ آج جب یہ پبلک کے پُرشوق ہاتھون مین آئی ہے اِسکے وہ سچے قدردان دنیا سے رخصت ہو چکے ہین -

نفس کتاب کے متعلق کوئی بسیط رائے ظاہر کرنے کے لیے ہم تیار نہین ہین - مگر اتنا ضرور کہین گے کہ مصنف کے پیش نظر جس قدر مذہب عیسوی ہے دیگر مذاہب نہین - اور اسلام کے متعلق جو غلط افواہین عالم مسیحیت مین مدت ہائے دراز سے مشہور چلی آئی ہین اُن کے اثر سے مسٹر ڈریپر بھی خالی نہین ہین - مگر اُن کی اصلاح مترجم صاحب نے اپنے پُرجوش نوٹون مین بڑی قابلیت سے کی ہے - یہ کتاب دو قسم کے کاغذون پر

چھپی ہے۔ قسم اول کی قیمت للعہ، اور قسم دوم کی ہے۔ علاوہ محصول ڈاک ہے۔ مجلد نسخہ بھی موجود ہین۔ جو اول درجہ کے کاغذ والے ہے، کو اور دوسرے درجہ کے کاغذ والے ہے کو ملسکتے ہین۔ قیمت اس کی حالت کے لحاظ سے زیادہ نہین۔ ہم کو یقین ہے کہ جن حضرات کو علم کا شوق ہے۔ خصوصًا تعلیم یافتہ حضرات اسکی ضرور قدر فرمائین گے۔ درخواستین مولوی ظفرعلی خان صاحب بی۔ اے ایڈیٹر زمیندار کے پاس "کرم آباد - پنجاب" کے پتہ پر بھیجی جائین۔

قدیم ہندوستان کی تہذیب - مسٹر آر سی دت کی تاریخ "سویلیزیشن آف اینشنٹ انڈیا" کا ترجمہ۔ اس کتاب کو بھی بہت کچھ شہرت حاصل ہے۔ اور محققین تاریخ کی نظر مین بڑی وقعت کی نگاہون سے دیکھی جاتی ہے۔ مسٹر ایم۔ اے۔ ولایت احمد صاحب مقیم جے پور نے بڑی قابلیت اور محنت سے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ جو ایک پرانے مشہور مذاق علم رکھنے والے ہین۔ اور ہم مسٹر ولایت احمد صاحب کو مبارک باد دیتے ہین کہ انھین بامحاورہ اور نہایت ہی صاف اور سلیس ترجمہ کرنے مین پوری کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ یہ کتاب جیسی خوبی سے ترجمہ کی گئی ہے اُسی کے مناسب اہتمام سے ۲۲ × ۲۹ سائز کے اوسط درجے کے گندہ کاغذ پر طبع بھی ہوئی ہے۔ لکھائی اور چھپائی بہت صاف واضح اور روشن ہے۔ ابتدا مین خود مصنف مسٹر دت کا فوٹو ہے۔ اُس کے بعد مترجم صاحب کا۔ جو متین وذہین پختہ مغز مسلمان کی شان سے عمامہ باندھے شروانی پہنے اور غالبًا اِسی کتاب "سویلیزیشن آف دی اینشنٹ انڈیا" کی ایک کاپی سینہ سے لگائے ہوئے کھڑے ہین۔

ابھی صرف اس کتاب کی پہلی جلد کا ترجمہ شایع کیا گیا ہے۔ دوسری جلد کا ترجمہ قابل مترجم صاحب اُس وقت شایع فرمائین گے جب ملک اِس جلد کی قدر دانی کا ثبوت دے دے گا۔ اور ہمین یقین ہے کہ ملک کے روشن خیال قابل و فاضل اور تعلیم یافتہ قدردانِ علم اس کی ضرور قدر فرمائین گے۔

اس ایک ہی حصہ کا ترجمہ کرنے سے ہندی تہذیب نے مترجم صاحب پر اتنا اثر کر لیا ہے کہ کتاب کے خاتمہ پر اپنے اعلان مین ہماری طرف بجاے "صاحبو!" یا "حضرات" کے "مہاشیو!" کے لفظ سے خطاب فرماتے ہین۔ ہمین امید ہے کہ دوسرا حصہ اُنھین

اس قابل بنا دے گا کہ جس طرح وہ ہمین "مہاشا" کہتے ہین اسیطرح ہم انھین میاں یو ولایت اللہ کہ سکین کتاب کی قیمت نہ کہین ہمین لکھی ہوئی نظر آئی اور نہ ہمین بتائی گئی ہے - مگر نہایت ہی اعلی درجہ کی قابل قدر کتاب ہے - ہمارے احباب مصنف صاحب سے "دیجے پور" کے پتہ پر مراسلت فرما کے ضرور طلب فرمائین -

پنجاب ریویو - اگست سنہ ۱۹۱۰ء سے اردو کے علمی خزانے مین ایک اور قابل قدر اضافہ ہوا ہے - شاید بہت سے لوگ "دکن ریویو" کو یاد کر کے اُس کے موجود نہ ہونے پر افسوس کرنے لگتے ہون گے جو مولوی محمد ظفر علی خان بی - اے کی ایڈیٹری مین حیدرآباد دکن سے شایع ہوتا تھا - اب ہم اُنھین خوش خبری سناتے ہین کہ اِس کے عوض پنجاب ریویو جاری ہو گیا جو اُنھین قابل ہاتھون مین ہے - اور جس سے امید ہی کہ پنجاب کی سرزمین مین جو لٹریچر کے حق مین روز بروز سیر حاصل ثابت ہوتی جاتی ہے پہلے سے زیادہ اور بہت نمایان ترقی کرے گا - پنجاب ریویو کا سائز ادیب الہ آباد کی طرح ۲۰ × ۳۰ پیمانہ کا ہے - اور اُسکی ضخامت علاوہ ٹائٹل کے ۵۲ صفحہ کی ہے چھپائی اور کاغذ اعلے درجہ کے ہین اور مضامین بھی وعدہ کر رہے ہین کہ عنقریب یہ رسالہ بہت اچھے علمی مذاق کو ترقی دے گا - اِسی پہلے رسالہ مین بہت سے اچھے مضامین اور نظمین ہین اور سب سے پہلا مضمون مولوی محمد عزیز مرزا صاحب آنریری سکریٹری آل انڈیا مسلم لیگ کا ہے - جو مسلم پالٹکس پر ہے - یہ مضمون الگ بھی شایع ہو چکا ہے - مگر مولوی ظفر علی خان صاحب نے اچھا کیا کہ اسے دوبارہ شایع کیا اور اسی سے پنجاب ریویو کے لٹریچر کا افتتاح کیا - ضرورت ہی کہ اس مضمون کی اشاعت بہت کثرت سے کی جاے - تاکہ ہندوستان کے تمام مسلمان اُس سے واقف ہون - اور سمجھ جائین کہ اس پولیٹکل ہلچل کے زمانے مین اُنھین کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہیے - پنجاب ریویو کا سالانہ چندہ مع محصول ڈاک قسم خاص کے لیے ؏ اور قسم عام کے لیے ہے - ہی - درخواستین مولوی ظفر علیخان صاحب بی - اے ایڈیٹر پنجاب ریویو کی خدمت مین کرم آباد - پنجاب کے پتہ پر بھیجی جائین

چند مختصر خیالات

علیگڈھ کالج کی حالت معرض خطر مین ہے - خدا ہر آفت سے بچائے - نوعمر پارٹی جو کالج

مین تعلیم پا کے نکلی ہے پرانے بوڑھون کا ادب دکھانے کے لیے تو بہت کرتی ہے مگر اندر ہی اندر خود سریان دکھاتی اور نواب وقار الملک کے ایسے کہنہ خیال سکرٹری کی گرفت سے باہر ہوئی جاتی ہے۔

کس نیاموخت علم تیر از من — کہ مرا عاقبت نشانہ نہ کرد

مگر ہم اتنا کہے دیتے ہین کہ اس نازک حالت مین اگر نواب وقار الملک علیحدہ ہو گئے تو پھر کالج کی خیریت نہین۔ اگر وقار الملک بالذات بھی ہٹنا چاہتے ہون تو انھین کم از کم دو سال کے لیے اور ٹھہرنا چاہیے تاکہ کالج اس فتنہ سے متاثر نہ ہو۔

مسلمان مشائخ اور پیرزادون کی اگلی تاریخ ہند دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بزرگان دین اگلے زمانہ مین ملکی فوج والون کی طرح مسلمانون کو پابندی شرع کی طرف متوجہ کرتے تھے۔ اور مشنریون کی طرح غیر قومون مین تبلیغ دین کیا کرتے تھے۔ درحقیقت یہ حضرات سچے مشنری تھے یہی لوگ بجاے سالانہ چندہ تحصیل کرنے کے اگر آج تبلیغ دین کا ایک صحیح اور خاموش انتظام جاری کر دین تو مسلمانون کو کسی بات کی شکایت نہ باقی رہے۔ آج بھی یہ حضرات اگلے زمانہ کی طرح کسی کفرستان مین ٹھہر کے اقطاب داوتاد۔ اور ضروری مقامات کا دورہ کر کے ابدال بن سکتے ہین۔ بجاے ندوۃ العلما کے نظام المشائخ اس دینی خدمت کے لیے زیادہ موزون ہے۔ لہذا ہم خواجہ حسن نظامی صاحب کو اس جانب توجہ دلاتے ہین۔

مسلم لیگ کو جب سے مولوی محمد عزیز مرزا صاحب سکرٹری مقرر ہوے ہین نمایان ترقی ہو رہی ہے۔ اُن کے دورون اور مسلسل سفرون نے ہر جگہ مسلمانون مین تحریک پیدا کر دی ہے۔ فی الحال مولوی صاحب شملہ گئے ہوئے ہین۔ اور واپسی کے وقت پنجاب کے بعض شہرون مین ٹھہرتے ہوئے آئین گے۔ بہتر ہو کہ جن مقامات مین مولوی صاحب کا دو ایک روز کے لیے قیام ہو وہان مسلمانون کے حقوق اور اُن کی پالیسی کے متعلق فصیح و بلیغ اور پرزور و پرجوش لکچر ضرور دین۔

مگر مولوی عزیز مرزا صاحب کو اپنی تعلیمون مین دو باتون کا خیال ضرور رکھنا چاہیے -
ایک تو یہ کہ پالٹکس مین بعض مسلمان گورنمنٹ کی بہی خواہی کے درجہ سے گر کر ذلیل خوشامدی
بنے جاتے ہین - ایسے لوگون کی اصلاح کی جاے - اور دوسرے یہ کہ مذہبی ردّ و قدح
اور باہمی سبّ و شتم اور طعن و تشنیع کا جوش روز بروز بڑھتا چلا جاتا ہے - گو کہ اس
آخری جوش کا روکنا کسی کے امکان مین نہین تاہم کوشش ضرور کرنی چاہیے -

---

آج کل یادگارین قائم کرنے اور اپنے جوش مسرت کو کسی مفید اور دیرپا برکت
کے عنوان سے ظاہر کرنے کا رواج ترقی کرتا جاتے ہے اس وقت تک ایسے مواقع پر ہم نے
مختلف قسم کی کارروائیان دیکھین مگر بنگلور مین مولوی محمد عزیز مرزا صاحب کے تشریف
لیجانے کی خوشی کا اظہار وہان کے ایک فیاض و روشن خیال رئیس جناب عبدالحفیظ صاحب
نے اس عنوان سے کیا کہ اُن کے وُرود کی یادگار مین مدرسہ کی عمارت کو برقی روشنی
سے منوّر کر دیا - یہ نئی اور اچھی ایجاد ہی - کیونکہ علم کا ریپریزنٹیشن روشنی سے بہتر اور
کسی طریقہ سے نہین ہو سکتا -

ہم نے اگست کے دلگداز مین تبلیغ دین کرنے والون کو اس جانب آمادہ کیا
تھا کہ وہ عصبیت جاہلیت کو توڑین - نومسلمون کو اُسی طرح اپنی برادری مین لین جس
طرح صحابۂ کرام لیا کرتے تھے پھر اس کے بعد دیگر مذاہب کے لوگون کو اپنے دین
کی طرف بلائین ۔ اور کسی نے تو اس طرف توجہ نہین کی - بلکہ بعض مدعیان شرافت کو
ایسی تحریک ناگوار گزری - کیونکہ اُن کی شرافت مین بٹہ لگا جاتا تھا مگر مولوی محمد یوسف
صاحب ایڈیٹر "نور" قادیان نے اس تحریک کی حقیقت و اہمیت کو محسوس فرمایا -
اور اپنے ایک پرائیوٹ خط مین ہمین تحریر فرماتے ہین کہ "در حقیقت ہمارے مسلمان
بھائی نومسلمون کو ادنے ترین حیوانون سے بھی بدتر خیال کرتے ہین - رشتہ ناطہ
در کنار اکثر مسلمان سیدھے منھ سے اُن کے ساتھ بات چیت کرنا بھی کسرشان اور
شیک ہینڈ کرتے ہوئے بھی ہتک عزت خیال کرتے ہین - مین آپ کا تہ دل سے شاکر
ہون کہ آپ نے اس بند دروازے کو تھوڑی سی ٹھیس لگائی ہے - مگر اس کے

لیے ایک زبردست دھکے کی ضرورت ہی۔ ہمارے قابل دوست اس بارے مین ایک مبسوط آرٹکل لکھنے کا بھی وعدہ فرماتے ہین ہم اُن کی اِس توجہ کے شکرگزار ہین۔ خدا تمام اسلامی انجمنون کو اس جانب متوجہ ہونے کی توفیق دے۔ سچ یہ ہے کہ جب تک مسلمان اُس دینی اُخوت کو زندہ نہ کرین گے جو تیرہ سو برس ہوئے ارض حجاز مین قایم کی گئی تھی نہ سچے مسلمان بن سکتے ہین اور نہ دین اسلام کو ترقی ہو سکتی ہے۔

اس بارے مین کچھ لکھنے پڑھنے سے زیادہ بہتر یہ عملی طریقہ ہو گا کہ ہندوستان کے مختلف بلاد مین دو چار ایسی انجمنین یا جماعتین قایم ہون جو ذات اور قوم کے تعصب کو کلیتہً چھوڑ دین ہندوستان کے تمام مسلمانون کو اپنی طرف مدعو کرین۔ جو جو لوگ شریک ہوتے جائین اُن کے مبارک نامون کی فہرستین شایع کرتی رہین اور اُن کی تحریک و ہدایت سے ذات باہر اور خاصتہً نو مسلم لوگون کے ساتھ جو شادیان ہون اُن کی بھی اشاعت کر دیا کرین۔ ہمارے خیال مین اس مصیبت کے دُور کرنے کا اس کے سوا اور کوئی علاج نہین ہے۔

ہمارے جدید مطبوعات

ہماری دو نئی کتابین تیار ہوئی ہین۔ ایک تو ”افسانۂ قیس“ اور دوسری ”سکینہ بنت حسین“

افسانۂ قیس۔ ایک معمولی مضمون تھا جس مین در اصل بہت ہی کم واقعات تھے۔ مگر بعض مطابع مدت سے اُسے علیحدہ چھپوا کے فروخت کر رہے تھے۔ اب ہم نے کتب سیر و تاریخ کے ورق اُلٹ کے قیس مجنون کے حالات نہایت تکمیل کے ساتھ از سر نو مرتب کر دیے ہین جو بالکل نئی کتاب ہے۔ اور مطبع دلگداز نے اسے لائبریری ایڈیشن کی کتابون کے نمونہ کے طور پر چھاپا ہی۔ یعنی اسی دیکھ کر بخوبی اندازہ ہو سکتا ہی کہ جن کتابون کے لائبریری ایڈیشن شایع ہونگے اُن کا کاغذ اور اُن کی لکھائی چھپائی کیسی اور کس شان کی ہوگی۔ پہلے یہ رسالہ ایک جز سے بھی کم تھا اور اب ٹائٹل کے علاوہ تین جز یعنی مع دیباچہ ۴۸ صفحون پر ہی۔ اور قیمت وہی رکھی گئی ہی جو معمولی افسانہ قیس کی ہی یعنی ۴ار یہ قیمت رسالہ کی حیثیت سے بہت ہی کم ہی۔ مگر چونکہ ہم وعدہ کر چکے ہین کہ لائبریری ایڈیشن کی کتابین اُسی قیمت پر فروخت کی جائین گی جو پہلے سے مقرر ہی لہذا ہم کو قیمت مین زیادتی

کرنے کی جرأت نہین ہوئی - ہم اس رسالہ کو اُن تمام حضرات کی خدمت مین وی - پی بھیج دیں جنھون نے ہمین عام اجازت دے رکھی ہی - مگر اس کی قیمت اس قدر کم ہی کہ ہم صرف اطلاع دے دینا کافی سمجھتے ہین - جن حضرات کو شوق ہو طلب فرمالین - لائبریری ایڈیشن کی آیندہ کتابین البتہ حسب قاعدہ ایک ہفتہ پہلے اطلاع دے کے وی - پی روانہ ہوا کرین گی -

سکینہ بنت حسین رضی اللہ عنہا - یہ لائف کبھی دلگداز کے اوراق پر کئی نمبرون مین شایع ہوئی تھی - اب وہ پرچہ باقی نہین رہے - اور اس لائف کی طلب مین اکثر حضرات کے خطوط آیا کرتے ہین - مختلف احباب کا بھی تقاضا تھا کہ اُسے ایک رسالہ کی صورت مین شایع کر دیا جاے - لہذا دفتر دلگداز نے اُسے بھی چھاپ کے تیار کر دیا - یہ رسالہ علاوہ ٹائیٹل کے ۴۱ صفحون پر ختم ہوا ہی اور قیمت ۶/

مربیان دلگداز

ہمین آپ کی توجہ سے کسی بات کی شکایت نہین بلکہ نہایت شکر گزار ہین کہ آپ کی عنایت سے دلگداز کی اشاعت فی الجملہ ترقی کر رہی ہی - اور اظہار شکر گزاری کے لیے ہم نے بھی دلگداز کا حجم بڑھا دیا - آپ ملاحظہ فرماتے ہون گے کہ دو مہینہ سے دلگداز بجاے ۱۶ صفحون کے ۲۴ صفحون پر نکل رہا ہی - ہم اتنے حجم کے بھی پابند نہین - اگر آپ نے توجہ فرمائی تو اس کے اوراق مین اور بھی اضافہ ہوگا - ضرورت ہی کہ ہمارے مہربان مربی ابھی اور کوشش فرمائین اور قریب قریب اتنے ہی خریدار اور پیدا کر دین جتنے کہ اب ہین - فی الحال اس کی اشاعت ۱۲۰۰ ہی - جب دو ہزار سے تعداد بڑھ گی تو ہم پرچہ کو اور زیادہ ترقی دین گے - ہمین امید ہی کہ آپ ہماری اس درخواست پر ویسی ہی توجہ فرمائین گے جیسی عنایتون کا آپنے ہمین عادی بنا دیا ہی -

جو نیا ناول مفت خریداران دلگداز کی نذر کیا جائے گا وہ ختم سال پر تیار ہو جاے گا - اور ماہ جنوری سنہ ۱۹۰۲ء مین ۴ کی قیمت یعنی ۴ر پر تمام خریداران دلگداز کی خدمت مین وی - پی روانہ کر دیا جائے گا - خریداران دلگداز اگر اس ناول کے ملاحظہ کا شوق رکھتے ہین اور ہمارے اِس حقیر ہدیہ کو قبول فرماتے ہین تو ہمین فوراً اجازت دین کہ وہ نیا ناول اُن کی خدمت مین وی - پی روانہ کر دیا جاے -

حسن کی کرشمہ سازیان

استیر - اسرائیلیہ

بخت نصر شاہ بابل جب پوری قوم بنی اسرائیل کو گرفتار کرکے ارض بابل مین لے گیا - اور فراعنۂ مصر کے جور و ستم سے نجات پانے کے بعد خدا کی اُس منتخب قوم کو دوبارہ اسیری و غلامی کی مصیبت مین مبتلا ہونا پڑا تو وہان اُنھین انقلابات سلطنت اور مختلف تاجدارون کے اختلاف مذاق سے عجیب عجیب واقعات پیش آئے اہل بابل کے مغلوب اور ایرانیون کے ہاتھ سے تباہ ہونے کے بعد بھی اگرچہ ایک مدت تک یہود کو آزادی نہین نصیب ہوئی - مگر اُن دنون اُس اسیری ہی مین کبھی کبھی اُن کا ستارۂ اقبال چمک بھی جایا کرتا تھا -

اُنھین خوش اقبالی کے واقعات مین سے ایک حسین و پری وش اسرائیلیہ لڑکی استیر کا واقعہ ہے جو سچ یہ ہے کہ اپنے حسن و جمال اور اپنی دل فریب پیاری صورت کی بدولت خود ہی اپنی قوم کا ستارۂ اقبال بن گئی تھی - مگر معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے دل فریب چہرے مین جیسی نزاکت و نازنینی تھی ویسی اُس کے دل مین نہ تھی - کیونکہ اُس نے اپنے حسن کی کرشمہ سازیون سے فقط اپنی قوم کے بچانے ہی پر اکتفا نہین کی بلکہ ہزارہا خلقت کو قومی بغض کے جوش مین قتل کرا دیا -

اُس کی داستان جو کتاب مقدس تورٰۃ (عہد نامۂ قدیم) مین درج ہے یہ ہے کہ جب شہنشاہ اخشویرس (جو تاجداران فارس مین سے تھا) سریر آرائے سلطنت ہوا اور اُس کا حکم حدود ہند سے لے کے سواحل بحرۂ روم تک جاری ہو گیا تو اپنی تخت نشینی کے تیسرے سال اُس نے ایک بڑا بھاری جشن منایا اور تمام امرا و معززین کو دُور دُور سے بلا کے خاص اپنے دار السلطنت شوشن مین ٹھہرایا - ہر ادنی و اعلی کی دعوت کی - اِس جشن کے لیے بڑے بڑے سامان کیے گئے - جا بجا باغون اور خیمون مین پُر تکلف فرش اور نقرہ و طلائی تخت بچھائے گئے - حریر و اطلس کے پردے لٹکائے گئے - اور سونے چاندی کے برتنون مین تمام شاہی مہمانون کو کھانا کھلایا گیا - شراب پلائی گئی - شراب کی یہ کثرت تھی کہ گویا مئے ارغوانی کی سبیلین لگا دی گئین با شہنشاہ نے

مرد مہمانون کی اور محل مین اُس کی مشہور ملکہ آفاق وشتے ملکہ نے عورتون کی مہمان نوازی کی۔ اور انھین انعام واکرام سے سرفراز کیا۔

جشن شروع ہونے کے ساتوین دن اخشویرش نے جبکہ نشۂ شراب سے مخمور تھا اور جوش سرور زدرون تھا خواجہ سراؤن کو بلا کے حکم دیا کہ وشتی ملکہ سے کہو کہ پرتکلف لباس پہن کے اور تاج شاہی سر پر رکھ کے یہان مردانے دربار مین آئے اور میرے برابر جلوہ افروز ہو کے میری رعایا کو اپنا جمال جہان آرا دکھائے۔ خواجہ سراؤن نے بادشاہ کا یہ حکم ملکہ کو پہونچایا تو اُس نے اِس مجمع عام مین آنے سے انکار کیا جس پر شہنشاہ اخشویرش نہایت برافروختہ ہوا اور اپنے مشیرون اور ساتون معزز وزیرون سے جو فارس کے دیس مُکھتے مشورہ طلب کیا کہ اِس نافرمان ملکہ کے بارے مین کیا کیا جائے؟ وزیر اعظم موکان نے زمین بوس ہو کے عرض کیا کہ "ملکہ نے فقط حضور کی نافرمانی نہین کی بلکہ ایک بڑا بھاری قومی گناہ کیا ہے۔ اُس کی نافرمانی کی خبر گھر گھر مشہور ہو گی۔ اور تمام عورتین یہ دیکھ کے کہ بادشاہ کی ملکہ اُن کا کہنا نہین مانتی اپنے شوہرون کی نافرمانی کرنے لگین گی۔ اور سارے شوہر اپنی جورؤن کی نظر مین حقیر ہو جائین گے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ملکہ اِس رتبہ سے کہ بادشاہ کی محبوبۂ خاص ہین محروم کر دی جائین۔ اور یہ مرتبۂ اعلیٰ کسی اور ایسی خاتون کو دیا جائے جو حضور کی فرمان برداری کرے۔ اور پھر اُسے دیکھ کے ساری مملکت کی عورتین اپنے شوہرون کی اطاعت گزار بنین۔" یہ رائے بادشاہ نے پسند کی۔ اسی پر عمل ہوا۔ اور وشتے ملکہ بادشاہ کی محبوبۂ خاص ہونے کے درجہ سے محروم کر دی گئی۔

اب بادشاہ کے لیے کسی نئی حسینہ کی تلاش شروع ہوئی۔ بادشاہی غلامون کی تحریک پر ساری قلمرو مین حکم جاری ہو گیا کہ ہر جگہ حسین اور کنواری لڑکیان جمع کی جائین۔ اور اُن مین سے جو جادو نگاہ عورتین منتخب ہون وہ لا کے ایوان شہر یاری مین شاہی خواجہ سراؤن کے زیر نگرانی رکھی جائین تاکہ وہ انھین بادشاہ کے ملاحظہ مین پیش کرنے کے قابل بنائے۔ بادشاہ کی خلوت مین پیش ہونے کے لیے ضرور تھا کہ ہر حسینہ ایک سال تک خواجہ سراؤن کے زیر اہتمام رہے جسے چھ مہینہ تک مُر اور لوبان اور عُود وغیرہ کی دھونی دی جاتی اور چھ مہینہ تک اُس کے بنڈے مین عُود اور اگر اور دوسری خوشبودار چیزون کے تیل بٹنے اور عطر ملے جاتے۔

الغرض سارے ملک سے آٹھ جادو نگاہ اور سرو قامت دلربائین چن کے بادشاہ کے لیے رکھی گئین۔

انھین مین ایک استیر بھی تھی۔ جس کی اصلیت یہ تھی کہ ارض مقدس سے جو یہودی گرفتار ہو کے بابل مین آئے تھے اُن مین "مردخائے" نام ایک اسرائیلی تھا جو بنیامین کی نسل سے تھا۔ استیر اُس کے چچا کی بیٹی تھی جو اپنے مان باپ کے مرجانے سے مردخائے کی تولیت مین تھی۔ اور مردخائے نے بیٹی بنا کے اُسے ناز و نعم سے پالا تھا۔ حسن وجمال مین دُور دُور تک اُس کا جواب نہ تھا۔ اور یہ حالت تھی کہ جس کی طرف نظر اُٹھا کے

دیکھ لیتی اُس کا شیدا اور گرویدہ ہو جاتا۔ مردخائے نے خود ہی استیر کو خواجہ سراؤن کے پاس بھیجدیا۔ مگر تاکید کر دی کہ خبردار کسی کو نہ بتانا کہ مین اسرائیلیہ ہون۔ یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ منتخب کر کے رکھ نہ لی جاتی۔ خواجہ سراؤن نے اُسے پسند کر کے رکھ لیا اور اُس کی تدھین و تدہین ہونے لگی۔

برس گذرنے کے بعد اُن آٹھون لڑکیون مین سے ہر ایک بادشاہ کی خلوت سرا مین بھیجی گئی۔ اور صبح کو ناپسند ہو کے نکل گئی۔ استیر کی باری آئی تو بادشاہ اخشویرش دیکھتے ہی فریفتہ ہو گیا۔ اور اُسی کو بادشاہ کی محبوبۂ خاص اور ملکۂ آفاق بننے کی عزت دی گئی۔ اس طریقے سے اخشویرش کی تخت نشینی کے ساتوین برس استیر اُس کی ملکہ بنی۔ ایسی پری جمال اور حور وش نازنین کے ملنے پر بادشاہ نے بڑی خوشیان کین۔ جشن منائے۔ لوگون کو انعام و اکرام سے سرفراز کیا۔ استیر نے اب تک کسی کو اپنا اسرائیلیہ ہونا نہین بتایا تھا۔ مگر ہر امر مین اپنے عزیز مردخائے کی مطیع و منقاد تھی۔ اور مردخائے کو بھی اُس سے اس قدر محبت تھی کہ اب اُس نے بھی بادشاہ کی ڈیوڑھی ہی پر رہنا شروع کر دیا۔

اتفاقاً مردخائے کو شاہی ڈیوڑھی پر پڑے پڑے یہ حال معلوم ہوا کہ بادشاہ کے دو غلام اُس کی جان پر حملہ کرنے کی تاک مین ہین اس کا حال اُس نے استیر کو بتا دیا۔ اور استیر نے جا کے بادشاہ سے عرض کر دیا۔ تحقیقات کی گئی تو ثابت ہو گیا کہ وہ دونون غلام واقعی ایسی نمک حرامی کی تجویز مین تھے۔ اس جرم کی سزا مین اُن دونون کو سولی دی گئی۔ اور بادشاہ نے حکم دیا کہ یہ واقعہ پورا پورا اُس کے روزنامچے مین درج کر دیا جائے۔

اِس اثنا مین بادشاہ وزرا مین سے اپنے ایک وزیر پر جس کا نام ہامان تھا بہت مہربان ہوا۔ اس کا تقرب روز بروز بڑھتا گیا۔ اور ساتھ ہی ساتھ اُس کی عزت و وقعت بھی بڑھائی گئی۔ یہان تک کہ عام حکم دے دیا گیا کہ جب وہ قصر شاہی مین آیا کرے تو تمام غلامان شاہی سامنا ہوتے ہی اُس کے سامنے سجدے مین گر پڑا کرین۔ سب غلامون نے اس حکم کی تعمیل کی مگر مردخائے جو ہمیشہ آتے جاتے وقت ہامان کو بادشاہ کی ڈیوڑھی پر بیٹھا نظر آیا کرتا تھا کبھی سجدہ نہ کیا بعض غلامون نے کہا بھی کہ تم سجدہ کیون نہین کرتے؟ اُس نے جواب دیا کہ یہ تو مجھ سے نہ ہو گا کہ ایک مخلوق کے آگے سجدہ کرون۔ غلامون کا جب مردخائے پر کوئی زور نہ چلا تو ہامان سے جا کے لگا دی کہ یہ شخص آپ کے آگے سجدہ کرنے سے انکار کرتا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بتا دیا کہ یہ یہودی ہے۔ ہامان یہ سُن کے نہایت برافروختہ ہوا اور ارادہ کیا کہ اُس سے انتقام لے۔ مگر دل مین کہا کہ اکیلے اس ایک متنفس سے بدلہ لیا بھی تو کیا مین اِس کی ساری قوم سے بدلہ لونگا اور اس فکر مین لگا کہ اخشویرش کی سلطنت مین جتنے اسرائیلی ہین اُن سب کو قتل کرڈالے۔

اخشویرش کی تخت نشینی کے بارھوین سال ہامان نے پوری طرح پتہ لگا لیا کہ ساری قلمرو مین کتنے یہودی اور کہان کہان آباد ہین۔ پھر بادشاہ کی خدمت مین آ کے عرض کیا کہ "حضور کے ملک مین ایک سرکش گروہ ہے جو لوگ متفرق و منتشر طور پر جا بجا آباد ہین۔ اور سب کی یہ حالت ہے کہ احکام شاہی کی بجاآوری مین تامل کرتے ہین۔ اُن کا کیش و آئین اُن کا طور طریق۔ اور اُن کی رسم و رواج سب جدا ہین۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ زندہ نہ چھوڑے جائین۔ اِس لیے اگر حضور کی مرضی ہو تو اُن سب لوگون کے قتل و غارت کا حکم جاری کر دیا جائے تاکہ وہ مطلقاً فنا کر دیے جائین۔ اور اِس کے معاوضہ مین مین دس ہزار وزن (جو اُس زمانہ مین مروج ہو) چاندی اُن لوگون کے ہاتھون سے جو قتل و غارت کی کارروائی کرین گے خزانہ شاہی مین داخل کرا دون گا"۔ بادشاہ نے وزیر کی یہ درخواست قبول کر لی۔ اپنی انگوٹھی اُتار کے اُس کے ہاتھ مین دی اور کہا "یہ میری مہر ہے۔ جو حکم تم کو مناسب معلوم ہو میری جانب سے جاری کر دو"۔

بادشاہ سے منظوری حاصل کر کے ہامان بے انتہا خوش ہوا اور اُسی وقت تمام ممالک محروسہ اور کل اضلاع و قطاع مین عہدہ دارون۔ والیون۔ امیرون۔ مرزبانون۔ (تعلقدارون) کے نام فرمان جاری ہو گیا۔ کہ فلان تاریخ ہر جگہ جتنے اسرائیلی ہون بلا استثنا و امتیاز مع زن و فرزند قتل کر ڈالے جائین۔ اور اُن کا گھر بار لوٹ لیا جائے۔ خبردار کوئی یہودی زندہ نہ بچنے پائے۔ اس حکم کے جاری ہوتے ہی ہر جگہ تہلکہ پڑ گیا۔ یہود کے دشمن اپنی تلوارین تیز کرنے لگے۔ اور یہودیون مین ایک عام ماتم بپا ہو گیا۔ ہر جگہ ایک گھبراہٹ اور اضطراب کا عالم طاری تھا۔ ہان ایک ہامان البتہ بادشاہ کی صحبت خاص مین بیٹھا شراب کے جام لُنڈھا رہا تھا۔

مردخائے کو اِن باتون کی خبر ہوئی تو اُس نے مارے صدمہ کے کپڑے پھاڑ ڈالے سارے بنڈے مین خاک ملی۔ ایک کھال اوڑھ لی۔ اور وسط شہر مین کھڑے ہو کے چیخین مار مار کے رویا۔ اور اِسی وضع سے شاہی ڈیوڑھی پر آیا جہان عام حکم تھا کہ جو شخص کھال اوڑھے ہوئے ہو جا ہے کوئی ہو اندر نہ آنے پائے۔ مردخائے کی اس حالت کی خبر خواجہ سراؤن نے استیر کو پہونچائی تو وہ نہایت ہی ملول ہوئی۔ اور کپڑے بھیجے کہ اُن کی کھال کی پوشاک بدلواؤ جس سے مردخائے نے قطعاً انکار کیا۔ تب استیر نے اپنے رازدار خواجہ سرا ہتاخ کو بھیجا کہ پوچھو "آخر واقعہ کیا ہے؟" ہتاخ سے مردخائے نے ساری کیفیت بیان کر دی۔ اور وہ رقم بتائی جس پر اسرائیلیون کی جانین مول لی گئی تھین۔ اور شاہی فرمان کی ایک نقل بھی بھیج دی کہ استیر خود ہی پڑھ کے معلوم کرے

کہ اسرائیلیون کا کیا حشر ہونے والا ہے۔ اِس کے ساتھ کہلا بھیجا کہ "تم بادشاہ کے سامنے جا کے رو رو اور اپنی قوم کو اِس عام ہلاکت سے بچاؤ۔" یہ پیام سُن کے استیر نے کہلا بھیجا "بڑی خرابی تو یہ ہے کہ مین بالکل مجبور ہون۔ مین ابھی مہینہ بھر تک بادشاہ کے یہان بُلائی نہ جاؤن گی۔ اور وہان عام قاعدہ یہ ہے کہ چاہے کوئی ہو مرد ہو یا عورت عزیز ہو یا دوست اگر بے بلائے بادشاہ کی خلوت خاص مین چلا جائے تو بلا تامل قتل کر ڈالا جاتا ہے۔ سوا اُس شخص کے جسے خود بادشاہ اپنے سونے کے عصائے شاہی سے اشارہ کر کے اِس عام قاعدے سے مستثنیٰ کر دے۔ مین بے بُلائے جاؤن گی تو جب تک وہ متوجہ ہون ہون قتل ہو جاؤن گی۔" اس جواب پر مردخائے بہت برہم و آشفتہ ہوا۔ اور کہلا بھیجا "یہ نہ سمجھ کہ اپنی ساری قوم کے قتل ہو جانے کے بعد تو بادشاہ کے محل مین ہونے کے باعث چین سے بیٹھ سکے گی۔ اگر تو نے اِس موقع پر قوم کی سفارش کو ٹال دیا تو بنی اسرائیل تو اُس عالم مین پہونچ کے آرام پائین گے اور سرورو نجات کا مرتبہ پائین گے مگر تو اور تیرا گھرانہ ہلاکت مین پڑ جائے گا اور تیرے دل پر ہمیشہ ایک لعنت رہے گی۔ خدا کی مصلحتون کو کون جان سکتا ہے؟ ممکن ہے کہ اسی دن اور اسی گھڑی کے لیے اُس نے تجھے بادشاہ کے محل مین پہونچایا ہو۔" یہ سُن کے استیر کے دل مین قومی ہمدردی کا جوش پیدا ہوا۔ اور کہلا بھیجا "اچھا مین قوم کے لیے جان دینے کو تیار ہون۔ آپ شہر شوشن کے سارے اسرائیلیون کو جمع کر کے حکم دیجیے کہ میری طرف سے سب روزہ رکھین مین اُن کی سفارش کے لیے بے بُلائے بادشاہ کے پاس جاؤن گی۔ اگر مار ڈالی گئی تو مضائقہ نہین۔ قوم کی خدمت گذاری مین مرون گی۔ اور جیتی بچی تو شاید خدا میری سُن لے۔" یہ جواب پا کے مردخائے واپس گیا۔ اور کُل یہودیون کو روزہ اور دعا و استغفار کی ہدایت کر دی۔

جب استیر اور اُس کے ساتھ ساری قوم نے تین دن تک روزہ رکھ لیے تو تیسرے دن استیر نے شاہی لباس اور زیور سے آراستہ ہو کے اور اپنے آپ کو خوب بنا چُنا کے بادشاہ کی اندرونی محل مین قدم رکھا۔ اور اُس کمرے کے سامنے جا کھڑی ہوئی جس مین بادشاہ اپنے تخت سلطنت پر جلوہ افروز تھا۔ اور جہان سے بادشاہ کا سامنا ہوتا تھا۔ لوگ اُس کے قتل کے لیے جھپٹنے ہی کو تھے کہ بادشاہ کی نظر پڑ گئی۔ اور جوش محبت سے بیتاب ہو کے فوراً اپنی سونے کی چھڑی اُس کی طرف اُٹھا دی استیر نے دوڑ کے اُس چھڑی کی نوک کو ادب سے چوم لیا۔ اور مودب کھڑی ہو گئی۔ بادشاہ نے نہایت ہی محبت کے لہجے مین کہا "ملکہ استیر کیا چاہتی ہو؟ بتاؤ۔ مانگو گی تو آدھی سلطنت تک دینے کو تیار ہون۔" استیر نے عرض کیا کہ "اور نہین بس اتنا چاہتی ہون کہ بادشاہ اور وزیر ہامان آج میری دعوت

قبول فرمائیں۔ بادشاہ نے فوراً دعوت قبول کی۔ اور اُسی وقت ہامان کو بلوا کے ملکہ کی دعوت میں چلا آیا یہاں جب شراب کے دو ایک جام پیے۔ اور مسرور ہوا تو جام شراب کو منھ سے لگا کے کہا "ملکہ استیر تمھارا کیا سوال ہے؟ بتاؤ کہ پورا کروں۔ آدھی سلطنت تک مانگو گی تو دے دوں گا"۔ استیر نے عرض کیا "میری تمنا بس یہ ہے کہ کل پھر تو میں حضور اور وزیر ہامان میری دعوت میں شریک ہوں"۔ بادشاہ نے یہ درخواست بھی قبول کی۔ اور استیر دوسرے دن کی دعوت کے لیے بڑے بڑے سامان کرنے لگی۔

ہامان خوش خوش یہاں سے نکل کے چلا تھا کہ ڈیوڑھی پر مردخاے کی صورت نظر آئی جس نے نہ اُسے سلام کیا نہ اس کے سامنے جھکا۔ یہ دیکھ کے اُس کے دل میں ایک کانٹا سا لگا جو گھر تک کھٹکتا گیا۔ گھر پہونچتے ہی اُس نے اپنی جورو زرش اور اپنے یاران صحبت سے کہا "خدا نے مجھے بہت کچھ دولت و عزت دی ہے۔ اولاد کی طرف سے بھی خوش نصیب ہوں۔ قدر و منزلت کی یہ حالت ہے کہ بادشاہ نے مجھے ملک کے تمام اُمرا سے زیادہ معزز بنا دیا۔ یہاں تک کہ دیکھو عالی مرتبہ ملکہ استیر کی دعوت میں بادشاہ کے ساتھ شریک ہونے کی عزت ساری سلطنت میں میرے سوا اور کسی کو نہیں نصیب ہوئی اور کل پھر ملکہ نے کمال الطاف و کرم سے مجھے اور بادشاہ کو اپنے یہاں مدعو کیا ہے۔ مگر یہ سب باتیں اور ساری عزتیں خاک میں مل جاتی ہیں جب دیکھتا ہوں کہ شاہی محل کی ڈیوڑھی پر مردخاے یہودی غرور و نخوت سے بیٹھا ہوا ہے۔ جو نہ میرے سامنے سجدہ کرتا ہے اور نہ مجھے سلام کرتا ہے"۔

میاں کی زبان سے یہ باتیں سُن کے زرش بولی "تو تم ایک کام کرو۔ آج ہی ایک پچاس ہاتھ کی لمبی دھنّی بنوا رکھو اور کل جاتے ہی بادشاہ کی خدمت میں عرض کرنا کہ یہ یہودی ایسا گستاخ اور بے ادب ہے۔ اور حضور سے منظوری لے کے اُسے کل ہی اُس دھنّی پر سولی دلوانا۔ اور جب اُسے سولی دے چکنا تب خوش خوش جا کے ملکہ آفاق کی دعوت میں شریک ہونا"۔ ہامان نے یہ تجویز پسند کی اور اُس دھنّی کو تیار کرا کے لوگوں کو ہدایت کر دی کہ میرے جانے کے تھوڑی دیر بعد تم اُسے لے کے ایوان شاہی میں آ جانا۔

ادھر آج ہی رات کو بادشاہ اخشویرش کے وہاں یہ واقعہ پیش آیا کہ بادشاہ کی نیند اُچاٹ ہو گئی اور جب کسی بات میں دل نہ لگا تو اپنے کاتب کو بلا کے حکم دیا کہ میرا روزنامچہ تو پڑھ کے سناؤ۔ روزنامچہ سنتے سنتے جب اس واقعہ پر پہونچا کہ "دو نمک حرام غلاموں نے بادشاہ کے قتل کی سازش کی تھی مگر مردخاے کی حسن کارگزاری سے اُن کا فریب کھُل گیا" تو چونک کے بولا "اس شخص مردخاے کے ساتھ اس کارگزاری کے صلہ میں کیا سلوک کیا گیا؟" لوگوں نے عرض کیا کچھ نہیں۔ یہ بات رات بھر بادشاہ کے خیال میں رہی اور صبح کو بھی اسی فکر میں تھا کہ سامنے سے ہامان نمودار ہوا۔ اُس کی صورت دیکھتے ہی اخشویرش بولا "ہامان تم خوب آئے۔ بتاؤ کہ جس شخص سے بادشاہ خوش ہو اور اُس کے ساتھ احسان کرنا چاہتا ہو

اُس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟" ہامان نے دل میں کہا کہ میرے سوا بادشاہ اور کس سے خوش ہیں اور وزیر ہامان کے سوا اور کون ہو سکتا ہے جس پر وہ احسان کرنا چاہتے ہوں لہٰذا جوشِ مسرت سے ازخود رفتہ ہو کے بولا "خداوند اُسے اپنا لباسِ خاص پہنائیں اپنا تاج اُس کے سر پر رکھیں اپنے خاص گھوڑے پر اُسے سوار کرائیں۔ پھر اس شان سے اُسے شہر میں نکالیں۔ اور کسی اپنے مخصوص امیر کو حکم دیں کہ اُس کے ہمرکاب رہے اور یہ منادی کرتا جائے کہ جسے حضورِ بادشاہ سرفراز کرنا چاہیں یوں سرفراز کرتے ہیں۔" ہامان کی زبانی سے یہ الفاظ سُن کے بادشاہ اخشویرش نے کہا "بہتر میرا لباس تاج اور گھوڑا لے کے ڈیوڑھی پر جاؤ۔ وہاں مردخائے نام ایک یہودی بیٹھا ہے اُس کو لباس اور تاج پہنا کے اور اُس گھوڑے پر سوار کر کے شہر میں پھراؤ۔ اور تم خود اُس کے ہمراہِ رکاب رہ کے منادی کرو کہ جس کو بادشاہ سرفراز کرتا ہے یوں کرتا ہے" یہ حکم سنتے ہی ہامان کے دل میں ایک آگ سی لگ گئی۔ مگر کیا کر سکتا تھا "حکم حاکم مرگ مفاجات" فوراً شاہی حکم کی تعمیل کی۔

اس کارروائی کے بعد مردخائے تو پھر جا کے بادشاہ کی ڈیوڑھی پر ٹھہر گیا۔ مگر ہامان خون کے آنسو بہاتا اور اپنے حسد کی آگ میں جلتا بھنتا اپنی بی بی زرش کے پاس پہونچا اور ساری کیفیت بیان کی۔ اُس نے میاں کو دل شکستہ دیکھ کے کہا "تو تم کُڑھتے کیوں ہو؟ ایسا ہی ہے تو اب قتلِ یہود کے دن تم بنی اسرائیل کی خونریزی کی ابتدا شہر شوشن میں اِسی مردخائے سے کرنا۔ اور راہی دھنی پر اُسے مصلوب کرنا" میاں بی بی میں یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ شاہی ہرکاروں نے آ کے کہا "آپ کی یاد ہوئی ہے۔ ملکۂ آفاق حسین و مہ جبین ملکہ استیر کی دعوت میں چلیے"

اِس پیام سے ہامان کی گونہ اشک شوئی ہوئی۔ فوراً درباری کپڑے پہن کے گیا۔ اور بادشاہ و وزیر دونوں استیر کی محلسرا اور باغ میں جا کے کھانے پینے میں مصروف ہوئے۔ بادشاہ آج بہت ہی خوش اور شادان تھا۔ اور ملکۂ استیر کے حُسن نے اُس کو ازخود رفتہ بنا رکھا تھا جام شراب کو منھ سے لگاتے ہی بولا "نازنین و مہ جبین ملکہ! بتا تیرا کیا سوال ہے؟ کہہ چکا کہ مانگے گی تو آدھی سلطنت تک دے ڈالوں گا" استیر نے ایک ناز آفرینی کی ہوش رُبا ادا سے زمینِ ادب چوم کے کہا "اگر مجھ پر حضور کی نظرِ عنایت ہے تو میری یہی التجا اور یہی تمنا و آرزو ہے کہ میری جان بخشی ہو اور میرے ساتھ میری قوم کی بھی جان بخشی کی جائے۔ کیونکہ ہم سب قتل و غارت کے لیے بیچ ڈالے گئے ہیں۔ اور دو تین روز میں ہم سب قتل ہو جائیں گے۔ کاش اتنا ہی ہوتا کہ ہم لوگ بیچ کے لونڈی غلام بنائے جاتے تو میں صبر کرتی۔ مگر یہاں تو ہماری بدنصیبی سے لوگ ہماری جان کے درپے ہیں" بادشاہ نے نہایت متحیر ہو کے پوچھا "کس نے مول لیا ہے؟ اور وہ کون ہے جس کا ایسا ارادہ ہے؟"

اب ہستیر میں غصہ ضبط کرنے کی تاب بھی نہ رہی، بولی "یہی کمبخت ظالم ہامان جو یاں بیٹھا ہوا ہے - اور ہم سب کے خون کا پیاسا ہے۔" ملکہ کی زبان سے یہ الفاظ سُن کے ہامان تو مارے خوف کے کانپنے لگا - اور بادشاہ اخشویرش شراب پیتے پیتے جام و صراحی کو ہاتھ سے رکھ کے مارے غصہ کے اُٹھا اور سامنے باغ میں جا کے ٹہلنے لگا - مگر چہرے سے غیظ و غضب کے آثار نمایان تھے -

بادشاہ کے ہٹتے ہی ہامان ملکۂ استیر کے قدموں پر گر پڑا - اور عفو تقصیر کے لیے گڑگڑا رہا تھا کہ بادشاہ طیش کے ساتھ واپس آ گیا - اور ہامان کی طرف جو ملکۂ استیر کے تخت کے آگے سر بسجود پڑا ہوا تھا مخاطب ہو کے بولا "اور یہاں جی میری ملکہ بھی میرے پہلو سے اُٹھا کے اور بالجبر کر کے کھینچی جائے گی یا نہیں؟" اِدھر بادشاہ کی زبان سے یہ آتشبار الفاظ نکلے اور اُدھر شاہی غلاموں نے مجرموں کی طرح ہامان کا سر کپڑے میں لپیٹ دیا - یہ کارروائی ہو ہی رہی تھی کہ وہ شخص جسے ہامان حکم دے آیا تھا وہ پچاس ہاتھ کی لمبی دھنی لیے ہوئے شاہی محل میں پہونچا - اور لوگوں نے بڑھ کے بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ "ہامان نے یہ دھنی اس لیے تیار کرائی تھی کہ اس پر مردخاے کو سولی لٹکوائے گا" بادشاہ غصہ میں بھرا ہوا تو تھا ہی حکم دیا کہ "اسی دھنی پر ابھی لیجا کے اِس ظالم ہامان کو سولی دو" جس کی فوراً تعمیل ہو گئی - ہامان کے قتل ہو چکنے کے بعد اخشویرش کا غصہ تھما - اور وہ پھر اپنی اسرائیلیہ ملکہ کے گھر میں عیش و عشرت میں مشغول ہوا -

بادشاہ نے ہامان کا گھر اور اُس کی ساری جائداد ملکۂ استیر کو دے دی - استیر نے اب موقع پا کے اپنے اور مردخاے کے تعلقات قرابت بادشاہ پر ظاہر کر دیے جن کو معلوم کر کے بادشاہ خوش ہوا - اور اُسی وقت اُس کے حسب الطلب مردخاے حاضر دربار ہو کے زمین بوس ہوا - بادشاہ نے اپنی انگوٹھی جو ہامان سے چھین لی گئی تھی اپنی اُنگلی سے اُتار کے مردخاے کو عطا کی گویا اِس کے ساتھ ہی اُسے خلعت وزارت عطا ہوا - اور اِن سب واقعات کے بعد مردخاے نے جا کے ہامان کے مکان اور جائداد پر قبضہ کیا -

لیکن ابھی تک استیر کو اطمینان نہیں ہوا تھا - موقع پا کے وہ پھر ایک بار بادشاہ کے قدموں پر گری اور رو رو کے عرض کیا کہ "حضور مجھے اور میری قوم کو ہامان کے شر سے بچائیں - کیونکہ قتل و غارت یہود کا حکم ابھی تک منسوخ نہیں ہوا ہے۔" بادشاہ نے اپنی طلائی چھڑی اُس کی طرف اُٹھا دی - جو کہ امان دینے کا اشارہ تھا - اور استیر ہاتھ جوڑ کے اور مؤدب کھڑے ہو کے کہنا شروع کیا کہ "اگر میں حضور کی نظر میں بھلی اور حضور کی مورد عنایت ہوں تو فرمان جاری ہو کہ ہامان کے جاری کیے ہوئے احکام منسوخ ہوں - ورنہ سارے اسرائیلی قتل ہو جائیں گے اور میں اپنی قوم کے قتل عام کو کیونکر دیکھ سکوں گی؟" اخشویرش نے اِس کے جواب میں اُس کی اور مردخاے کی طرف متوجہ ہو کے کہا "میں نے ہامان کا گھر بار تم کو دیا - اُس کو مصلوب کرایا - اور اپنی انگوٹھی بھی تم کو

دے دی۔ لہذا تم کو اختیار ہے کہ جس مضمون کا فرمان چاہو میری طرف سے اور میرے نام سے جاری کر دو۔" مردخائے نے اجازت پاتے ہی تمام والیوں مرزبانوں۔ رئیسوں اور فوجی افسروں کے نام فرمان جاری کر دیا جس کی نقلیں تمام علاقوں اور ممالک محروسہ میں سانڈنی سواروں۔ ہرکاروں اور رسالہ کے سواروں کے ذریعہ سے بڑی عجلت کے ساتھ روانہ کی گئیں۔ اِس فرمان کی رُو سے پہلا قتل یہود کا حکم منسوخ کیا گیا تھا۔ اور یہود کو حکم تھا کہ اُسی تاریخ جو اُن کے قتل کے لیے مقرر کی گئی تھی ہر ہر شہر میں جمع ہوں۔ اور اپنے تمام دشمنوں اور اُن سب لوگوں کو جو اُن کے خلاف ہوں مع زن و فرزند قتل و ہلاک کر دیں۔ اور یہ کارروائی ہر جگہ اور ہر گاؤں میں ایک ہی دن اور ایک ہی وقت ہو۔ یہی حکم خاص دارالسلطنت شوشن میں بھی جاری ہو گیا جس کے بازاروں میں مردخائے آسمانی رنگ کا لباس شاہی اور اُس پر ریشمی عبائے ارغوانی پہنے سونے کا مرصع تاج سر پر رکھے گردش سے برآمد ہوا۔ اور اُس کی صورت دیکھ دیکھ کے یہودی ہر جانب سے نعرہ ہائے مسرت بلند کرتے تھے۔

آخر وہ قتل کی تاریخ آئی۔ اور یہود نے بلا تامل اپنے دشمنوں اور اپنے ستانے والوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ اس یورش میں شہر شوشن کے اندر ہامان کے دس بیٹے بھی قتل ہوئے۔ لیکن یہود نے مو قتل کرتے کے لوٹنے اور تاخت و تاراج کرنے سے بالکل ہاتھ روکا۔ شام کے وقت بادشاہ اخشویرش کو اس واقعہ کی رپورٹ ہوئی۔ اور اُس نے استیر سے مل کے کہا "ناز آفریں ملکہ۔ خاص دارالسلطنت میں پانسو آدمی اسرائیلیوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ اور اضلاع میں جو کچھ ہوا ہو گا وہ اِس کے علاوہ ہے۔ اس لیے اے میری پیاری ملکہ بتا کہ اب تیرا کیا سوال ہے؟ جو کہے گی کروں گا۔ اور جو مانگے گی دوں گا۔" استیر بولی "میں چاہتی ہوں کہ ایسے ہی قتل عام کی اجازت شہر شوشن میں یہودیوں کو کل پھر دی جائے۔ اور ہامان کے لڑکوں کی لاشیں مصلوب کی جائیں۔" بادشاہ نے کہا "منظور۔ اجازت ہی کہ اسرائیلی پھر اپنے دشمنوں کو قتل کریں"۔ چنانچہ دوسرے دن بھی قتل عام شروع ہوا اور شوشن میں اس دن یہود نے ۳۰۰ آدمی قتل کیے۔ مگر دیگر مقامات اور اضلاع میں فقط پہلے ہی دن خونریزی ہوئی تھی جس میں ۷۵ ہزار آدمیوں کو یہودیوں نے قتل کیا۔

الغرض اضلاع میں دوسرے دن اسرائیلیوں نے اپنے دشمنوں کو قتل کر کے خوشیاں کیں اور عید منائی۔ اور شہر شوشن میں دو دن قتل کرنے کے بعد تیسرے دن۔ اور اسی کی یادگار میں مردخائے کے اشارہ سے یہودیوں میں رواج پا گیا کہ ہر سال ان دو دنوں میں بڑی بھاری عید منائی جاتی۔ ساری قوم کے زن و مرد اور بوڑھے بچے اچھے اور نئے کپڑے پہنتے۔ فیاضیاں کرتے۔ باہم عوتیں کرتے۔ اور اپنی اس قومی کامرانی کی یاد ہمیشہ تازہ رکھتے۔ یہ تھی ایک یہودیہ حسینہ کے حُسن کی ہولناک کرشمہ سازی جو ظاہر کرتی ہے کہ مدتوں کی اسیری و مظلومی نے

یہود کی ہوسین اور سار زوئین اور اُن کی خوشیان کس درجہ ذلیل کر دی تھین اور جوش انتقام نے اُنھین کیسا ناخدا ترس بنا دیا تھا۔

سنہ ۱۹۱۱ سے رخصتی ملاقات

او میان جانے والے اجاؤ! خدا حافظ! اچھے آئے اور اچھی جاتے ہو جس طرح عیسائیون مین فادر کرسمس نئے نئے طرح کے کھلونے لایا کرتے ہین تم ہمارے لیے نئی نئی اور مزے مزے کی تمنائین لائے تھے۔ اور اب تم جاتے ہو تو اِس وقت بھی ہمارے سینہ آرزوئین اور امیدون سے مالا مال ہین۔ مگر جس ازلی دربار مین جاتے ہو وہان اتنی سفارش بھی کر دینا کہ یہ آرزوئین جو تم ہمارے دلون مین پیدا کر کے چلے ہو دل کی دل ہی مین نہ رہین بلکہ پوری بھی ہون۔

تم نے اپنے عہد کے درمیانی حصہ مین ایک بڑا قیامت کا دھڑکا پیدا کر دیا۔ ایک ایسا عظیم الشان دُمدار ستارہ اِس عظمت و جبروت اور ایسے زور و شور سے ہماری طرف بڑھتا چلا آتا تھا کہ ہمین اپنی کیا ساری دنیا کی خیریت نہین نظر آتی تھی۔ اہل ہیات نے یہ کہہ کے دہلا دیا کہ اول تو یہ ایک ایسی زبردست ٹکر دے گا کہ وعدۂ قرآنی کے مطابق دنیا کا یہ سارا کارخانہ نسیًا منسیًا اور یہ بڑے بڑے سر بہ فلک پہاڑ "کالعہن المنفوش (دھنکی ہوئی روئی کے گالون کی طرح) منتشر اور پریشان ہو جائین گے۔ اور بالفرض اُس کی زو سے بچ بھی گئے تو اُس کی آتشین دم کے اثر سے بچنا دشوار ہے جس مین تمام اہل عالم جل بھُن کے خاک ہو جائین گے۔ مگر خدا نے بڑی خیریت کی۔ بچے اور بال بال بچے۔ تاہم یہ اُس کا اثر ہو یا نہ ہو تم نے غدر برپا کر دی کہ ہمارے ہر دل عزیز اور صلح جُو تاجدار کنگ ایڈورڈ ہفتم کو ہمیشہ کے لیے ہم سے چھین لیا۔ جو ایک ایسا سانحہ تھا کہ قیامت تک تمھارے نام کو ایک نحوست کے عنوان سے آشکارا کرتا رہے گا اِس لیے تم اگر ایک داغ دے کے جاتے ہو تو ایک داغ لے کے بھی جاتے ہو۔

مگر باوجود ان سب باتون کے تم جس وقت چلے ہو دنیا کو اچھی چہل پہل اور رونق پر چھوڑ کے چلے ہو۔ شاہ ایڈورڈ کے بعد تم نے ہمارے سریر شہریاری پر ایک جوان ہمت و جوان بخت تاجدار کو جلوہ فرما کر کے ہمین ایک اچھا رحم دل اور عدالت گستر شہریار ہی نہین دیا بلکہ چلتے چلاتے ہمارے لیے ایک نیے نائب السلطنت لارڈ ہارڈنگ کو بھی لائے ہو جو امید ہے کہ ہمارے حق مین نعم البدل ہون گے اور جن کی ذات سے ہماری ساری قومی اور ملکی امیدین وابستہ ہین۔ یہی نہین بلکہ اِس سے بھی بڑھ کے تم نے اپنے خاتمہ پر ہمین یہ مژدہ سنا دیا کہ جنوری سنہ ۱۹۱۲ع مین تاجپوشی کے موقع پر

موقع پر خود بدولت حضور ملک معظم کنگ امپرر شاہ جارج پنجم رونق افروز ہند ہون گے جو ہندوستان
کی برٹش عہد کی تاریخ مین بالکل نیا اور ہندوستانیون کے حوصلہ سے زیادہ مسرت و شادکامی کا واقعہ
ہے۔ ہندوستان ایک خالص مشرقی ملک اور بادشاہ پرستون کی بستی ہے۔ یہان والے بادشاہ کے
نام سے جیتے اور بادشاہ کے جمال جہان آرا کی زیارت کو عبادت تصور کرتے ہین۔ یہان کے بت پرست
اپنے بادشاہ کو دیوتا اوتار یا مظہر ایزدی اور یہان کے موحد اُسے سایۂ الٰہی تصور کرتے ہین ایسے
لوگون کے حق مین اپنے بادشاہ کے قدمون سے دُور اور اپنے تاجدار کی حضوری سے محروم رہنا
دراصل ایک قسم کا ظلم ہے جس کو اہل مغرب محسوس بھی نہین کر سکتے۔ لیکن الحمد للہ کہ اس تغافل کے جور کو
خود حضور شاہ جارج پنجم نے پوری طرح محسوس فرمایا۔ اور ہمارے اس درد دل کے علاج کے لیے
آمادہ ہو گئے۔ اور ہندوستان جوش دل اور خلوص عقیدت سے کہہ رہا ہے کہ "بیا بیا و کرم کن کہ خانہ
خانۂ تست"۔ ہندوستان کی آرزو تو یہ ہے کہ حضور شاہ جارج یہین رہ کے ہم پر حکومت کرین اور
ملاحظہ فرمائین کہ ہماری اطاعت کیشی و فرمان برداری بڑھی ہوئی ہے یا اہل مغرب کی۔ اور
بادشاہ پرستی مین کون ہے جو ہمارا مقابلہ کر سکے۔ تاہم جن لوگون کی ایسی آرزوئین اور تمنائین ہون۔
اور جن کی آنکھین مدتون سے اپنے بادشاہ اور تاجدار کی صورت زیبا دیکھنے کو ترس گئی ہون
اُنھین یہ خوش خبری سُن کے کہ ہمارے بادشاہ فلک بارگاہ خاک ہند کو عزت اور ہمارے قدیم
تاریخی دار السلطنت شہر دہلی کو رونق بخشنے والے ہین جیسی اور جس قدر خوشی نہ ہو کم ہے۔ یہ اُس قسم کی خوشی ہے
جس سے اہل ہند اپنے آپ کو ہمیشہ کے لیے محروم سمجھ چکے تھے۔ اور مایوس ہونے کے بعد جو آرزو پوری ہو
اُس کی قدر جاننے والے بھی میرے خیال مین زیادہ تر شعرائے مشرق ہی ہین۔ بہرحال خدا رحمت کرے
تجھ پر اے سنہ ۱۹۱۱ع کہ تو نے چلتے چلاتے ایک ایسا مژدہ سُنا دیا کہ ع - برین مژدہ گر جان فشانم رواست۔
تو نے اپنے زمانے مین چاہے کیسے ہی مظالم کیے ہوتے اور چاہے کتنی ہی تکلیفین پہونچائی ہوتین پر
تیرا ایک آخری مژدہ ایسا تھا جو سب پر بالا ہو کے سارے ہجوم آلام کو سامنے سے ہٹا دیتا اور ہمین
ایسا نظر آتا کہ گویا کوئی رنج تھا ہی نہین۔

مگر اس مژدہ کے سنانے سے پہلے بھی تو نے ملک مین ہر طرف بڑی چہل پہل پیدا کر رکھی تھی جو
باتین کسی عہد مین نہین ہوئین اور جن سے ہندوستان کی تاریخ بالکل ناآشنا ہے تیرے اس مختصر عہد نے
تاریخ پلٹ دی جو ملک مشرقی بادشاہ پرستی اور بادشاہ کی زبان کو ملک کا قانون سمجھنے کا عادی
ہو اُسی ملک مین رعایا کو حکومت مین حصہ مل جانا اور رئیس کے نائبون کا وائسرائے سے لے کے وزیر

ہندتک کی کونسلون مین شریک ہوجانا ایسی باتین ہین جو اے جانیوالے سال تیرے نام کو قیامت تک روشن رکھین گی۔

اسے سنہ ۱۹۱۱ع تونے ہمارے ساتھ ہر طرح بھلائی ہی کی۔ اور تیرے اتنے احسانات ہین کہ ہم سے بن نہین پڑتا کہ شکر کس کس مہربانی کا کرین تیری ادا۔ کاش ان سب باتون کے ساتھ اہل ہند کو اتنی سمجھ بھی آتی کہ ملکی نفع کو قومی نفع پر اور قومی نفع کو شخصی نفع پر ترجیح دین۔ اور ان ذلیل مخالفتون سے باز آئین جو انھین روز بروز زیادہ ذلیل کرتی جاتی ہین۔ مگر اس کو تو کیا کرے۔ جس قوم اور جس گروہ کی قسمت ہی اُلٹی ہو جس کے افراد شخصی اور ذاتی منافع پر سارے ملک کے قربان کر دینے کو آمادہ ہون۔ اُس کے لیے کوئی تدبیر کارگر نہین ہوسکتی۔

خیر ان بدنصیبون کو تو اُن کے حال پر چھوڑ۔ اور خوش جا۔ کیونکہ اپنے جانے کے وقت تو ہم سب کو بھی خوشی اور طرح طرح کی دلچسپیون مین مصروف و مشغول چھوڑ چلا ہے۔ ہر جگہ بڑے دن کی خوشیان منائی جا رہی ہین۔ آسمانی امید دن کا نیا پارسل آسمان سے اُتر کے ہمارے قریب پہونچ چکا ہے اور نیوایرس ڈے یعنی سال نو کے پہلے دن انتظار نے ساری دنیا مین ایک دق و شوق پیدا کر دیا ہے۔"

الہ آباد کی نمایش کھلی ہوئی ہے۔ جو دنیا کی ترقیون کے تمام مکمل نمونے اہل ہند کے سامنے پیش کر کر کے اُن کی آنکھین کھول رہی ہے۔ اُس کے پاس نیشنل کانگریس مین وطن پرستان ہند اپنی آزادیون اور اپنی آتش بیانون سے برٹش تاج کی برکتون اور کرامتون کا ثبوت دے رہے ہین۔ کہین مسلمان ایجوکیشنل کانفرنس مین شریک ہو کے اپنی علمی ترقیون کے تدابیر سوچ رہے ہین۔ اور کہین اُنھون نے مسلم لیگ کا جھنڈا بلند کر کے اپنے پالٹکس اور اپنے تمدن کے مسائل چھیڑے ہین۔ الغرض جدھر دیکھیے لطف و مسرت دلچسپیون اور گرمجوشیون ہی کے سامان نظر آرہے ہین لہذا اے سنہ ۱۹۱۱ع تو ہمین متردد و متفکر نہین بلکہ مسرور شاد کام اور خوشی سے جشن مناتے ہوے چھوڑے جاتا ہے۔

بڑی ناشکری ہوگی اگر اس موقع پر ہم تیرے اُن احسانات کو نہ ظاہر کرین جو خاص ہم پر اور ہمارے دلگداز پر ہوئے ہین۔ دلگداز کے لیے سچ یہ ہے کہ تو تمام گذشتہ سنین سے اچھا اور خوش نصیبی کا سال تھا۔ دلگداز خدا سے یہ آرزو کر کے کہ

یوسف اقبال بخواہم رسان ہمچو زلیخا بشبابم رسان

اور از سر نو عالم طفولیت کی وضع اختیار کر کے تیرے گہوارے مین لیٹا تھا۔ جسے تو نے اچھے پینگ دیے۔ اور اپنی آغوش شفقت مین بڑی ہی دردمندی سے پالا۔ سال بھر وہ برابر وقت پر شایع ہوتا رہا۔ ابتدائی

شش ماہی میں تو اُسی وضع وحالت پر تھا جو کہ شروع میں بھی مگر دوسری شش ماہی کے شروع ہوتے ہی اُس کے اوراق بھی بڑھ گئے - اور کاغذ - لکھائی - چھپائی اور ہر حیثیت سے اُس نے بے انتہا ترقی کی - پہلے پرچہ میں دو ایک مضامین دیگر جادو نگارون کے بھی تھے مگر اُس کے بعد ہی سے قدردانون کا اصرار دیکھ کے پابندی کر لی گئی کہ اس کے صفحات پر سوا ایڈیٹر کے اور کسی کی کوئی تحریر نہ ہوا کرے - مضامین بھی اس سال دیگر سنین کے دیکھتے بہت اچھے رہے - دلگداز کا اس سال کا تاریخی ذخیرہ بہت نیا اور بہت زیادہ ہے - یون تو تاریخی مضامین بہت سے پرچون مین شایع ہوتے رہتے ہین لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو جیسے تازہ - نئے - اچھوتے - اور ضروری واقعات تاریخی ان بارہ مہینون مین دلگداز نے پیش کیے ہین اور کوئی کم پیش کر سکا ہوگا - پھر اُس کے ساتھ دلگداز کی ادبی خصوصیت - یعنی جیسی زبان - جیسے الفاظ - جیسے رنگ - اور جس مستند اور دلچسپ لٹریچر مین دلگداز نے اُن واقعات کو بیان کیا یہ اُسی کا کام تھا - اور اُسی پر ختم ہے - ہمارے اس سال کے خیالی مضامین جن کے ذریعہ سے نثر مین کمال شاعری دکھایا جاتا ہے اگرچہ سابق کی بہ نسبت کم رہے - کیونکہ اب زمانہ خالص لفاظی اور ہوا مین خیال کے قلعہ بنانے کو زیادہ پسند نہین کرتا لیکن جتنے تھے ایسے تھے کہ قدردانون نے انھین بہت پسند فرمایا -

اے ۱۹۱۰ء تیرے ہاتھون دلگداز کی جو کچھ اصلاح ہوئی ہر طرح قابل شکر گذاری ہے - اور اُس سے بھی زیادہ بڑھا ہوا تیرا یہ احسان ہے کہ تو نے ملک مین دلگداز کو زیادہ سرخرو کرایا - جس کا ثبوت اس سے بڑھ کے کیا ہو سکتا ہے کہ جنوری ۱۹۱۰ء کے آخر مین جب پہلا نمبر نکلا ہے اُس وقت اس کی اشاعت ۸۰۰ سے زیادہ نہ تھی اور اب بفضلہ تعالی ۱۴۰۰ سے زیادہ ہے -

ہم نے وعدہ کیا تھا کہ جب اس کی اشاعت ۱۲۰۰ سے بڑھے گی اُسے بجاے ایک جزو کے ڈیڑھ جزو کا کر دین گے - چنانچہ وہ وعدہ پورا کیا گیا - اور اب کہتے ہین کہ جس دن اس کی اشاعت ۲۴۰۰ کو پہونچے گی اُس دن اسی قیمت مین اسے دو جزو کا رسالہ بنا دین گے جس امید کو یقین ہے کہ وہ قدردان و قدرافزا جن کے آغوش شوق مین اسے ۱۹۱۰ء دلگداز کو تو چھوڑ چلا ہے ضرور پورا کر دین گے -

لوگون کو ناول کے نہ ہونے کی شکایت تھی - مگر ہمین یہی مناسب معلوم ہوا کہ بجاے متفرق اجزا شایع کرنے کے ناولون کو مکمل کر کے ناظرین کے ہاتھ مین دے دیا کرین - چنانچہ تاریخی ناول "فلپانا" جس کے متعلق ہر طرف سے تحسین و مرحبا کی آوازین آ رہی ہین شایع کر دیا گیا - اور ایک نیا سوشل ناول "غیب دان دلھن" آیندہ مہینہ مین بلا قیمت اور ہدیۂ نذر ناظرین کیا جائے گا - صرف ایک روپیہ مین ایسے مضامین ایسا کاغذ ایسی چھپائی اور پھر ایک ناول کا مفت نذر کیا جانا بہت زیادہ ہے

اور اپنے حوصلہ سے بڑھی ہوئی جرأت ہے۔ مگر اے سنہ ۱۹۱۰ء یہ تیری ہی حوصلہ افزائیان ہین جو ہماری ہمت بندھا کے ہمین اپنے کرم فرماؤن اور مہربانون کی خدمت گزاری پر آمادہ کر رہی ہین۔

لہذا جا! خوش خوش جا! اور خیر و خوبی سے جا۔ مگر جانے سے پہلے اتنی مہربانی اور کرتا جا۔ کہ آنے والے سنہ ۱۹۱۱ء سے ہمین دو کلمۂ خیر کے ساتھ انٹروڈیوس کرا دے۔ اور اُس نئے زمانہ کا چارج لینے والے سے سفارش کر دے کہ تیری طرح اُس کا سلوک بھی ہمارے ساتھ اچھا رہے۔ اور جیسا تو ہمارے حال پر مہربان تھا وہ بھی رہے۔

مصحف عثمانی

قرآن مجید کی نسبت لوگون مین عموماً مشہور ہے کہ اسے حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالی عنہ نے جمع فرمایا ہے۔ اس معاملہ کے متعلق علما اور مورخین مین بہت کچھ اختلافات پڑے ہوئے ہین۔ خصوصاً شیعہ و سنی کے شرمناک جھگڑون نے اسے اور زیادہ اُبھارا اور یہان تک نوبت پہونچی کہ دشمنان اسلام علی الخصوص عیسائیون کو قرآن پاک کی تحریف کے متعلق کچھ کہنے اور جھگڑنے کا موقع مل گیا۔

اس واقعہ کی اصلیت اسی قدر ہے کہ عرب کے مختلف حصون اور صوبون مین مختلف لغات بولے جاتے تھے۔ یعنی زبان ایک ہی تھی مگر لہجہ مین اور بعض حرفون کے مخارج اور تلفظ مین فرق تھا جس سے یہ خطرناک نتیجہ ظاہر ہوا کہ اُن صوبجات عرب مین لوگون نے اپنے تلفظ ہی کے مطابق قرآن کو لکھنا بھی شروع کر دیا۔ اسکی مثال آج کل کے اعتبار سے یون سمجھیے کہ اکثر مقامات کے عرب حرف "ق" کا تلفظ گاف اور حرف "ث" کا ت کرتے ہین۔ اب یہی لوگ اپنے لہجے اور تلفظ کے مطابق ق کی جگہ گاف اور ث کی جگہ ت لکھنے بھی لگین تو خواہ مخواہ زبان کے بگڑ جانے اور قرآن مین اختلاف پڑ جانے کا اندیشہ ہوگا۔ اسی اندیشہ سے محفوظ رکھنے کے لیے حضرت عثمان نے یہ کارروائی کی کہ صحابہ مین سے جو جو بزرگ قرأت قرآن مین کمال رکھتے تھے اور جن کی قرأت پر بھروسا تھا اُن کو جمع کر کے خاص قریش کے لہجے اور تلفظ کے مطابق املا کو مدوّن کرا دیا۔ تاکہ پھر کوئی جھگڑا نہ باقی رہے۔ یا اس واقعہ کو آج کل کی زبان مین زیادہ صحیح طور پر یون کہا جائے کہ حضرت ذی النورین نے قرآن مجید کا ایک مستند ایڈیشن دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔ اور عربون کے اختلافات لغت سے الفاظ کے بگڑنے یا بدل جانے کے جو اندیشہ تھے مٹا دیے۔ اسی اعتبار سے حضرت عثمان جامع قرآن کہے جاتے ہین اور نہ قرآن کی ترتیب و تہذیب تکمیل دین ہی کے ساتھ ہو چکی تھی۔ سورتون مین آیات کی ترتیب۔ اور سورتون کی باہمی ترتیب سب حضرت رسالت کے

سامنے کی باتین ہین - ان کو ترتیب عثمانی سے کوئی علاقہ نہین - اور نہ کسی کو ایسی جرأت ہو سکتی تھی کہ آنحضرت کی ترتیب مین کسی قسم کا دخل دے -

تتبع روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے اپنے اس مستند ایڈیشن کے پانچ نسخہ تیار کرائے تھے - جن مین سے ایک مکۂ معظمہ مین بھیجدیا - ایک بصرہ مین بھیجا - ایک کوفہ روانہ کیا - ایک شام (دمشق) مین اور ایک اپنے پاس مدینۂ طیبہ مین رکھا -

علامۂ ابو القاسم تجیبی سبطی (جو اُسی شہر سبطہ کے رہنے والے تھے جس کا سین ہم اپنے ناول فتح اندلس مین دکھا چکے ہین اور جہان کے حاکم جولین سے مل کے مسلمانون نے اسپین کے فتح کرنے کا ارادہ کیا تھا) بیان کرتے ہین کہ "شام والا قرآن (مصحف عثمانی) دمشق کی جامع بنی اُمیہ مین اُس کی محراب کے اندر رکھا ہوا ہے جس کی مین نے ۶۵۷ھ مین خود اپنی آنکھون سے زیارت کی - اور مکۂ معظمہ والے قرآن کو مین نے قبۂ یہودیہ (ہم نہین بتا سکتے کہ یہ قبہ کون اور کہان تھا) مین دیکھا تھا" ان کے ایک صدی بعد ایک اور مصنف جن کا نام عبد الملک ہے فرماتے ہین کہ "مین نے اُن دونون قرآنون کی اور نیز مدینہ والے مصحف عثمانی کی ۷۳۵ھ مین زیارت کی تھی -

ان مین سے ایک مصحف خدا جانے کیونکر ارض اندلس مین پہونچ گیا جو وہان قرطبہ کی جامع مسجد مین ایک مدت تک ادب و تعظیم سے رکھا رہا - لوگ ذوق و شوق سے اُس کی زیارت کرتے اور اُس سے فیض و برکت حاصل کرتے رہتے - علامۂ عبد الملک جنھون نے ۷۳۵ھ مین مکہ اور مدینہ والے قرآنون کو دیکھا تھا فرماتے ہین کہ "اندلس والے اور مدینہ والے قرآن کا خط ایک ہی تھا" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونون ایک ہی شخص کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے -

بعض عوام یہ تصور کرتے ہین کہ ان قرآنون کو حضرت عثمان نے خاص اپنے دست مبارک سے لکھا تھا مگر اس کی کوئی اصلیت نہین - آپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا کوئی قرآن نہ تھا - لیکن جس ہاتھ سے وہ لکھے گئے ہون گے یقیناً وہ برکت کا ہاتھ تھا کیونکہ اس مین کوئی شک نہین کہ معززین صحابہ مین سے کسی بزرگ کے ہاتھ سے لکھے گئے ہون گے - جن علما نے ان مصاحف عثمانی کی زیارت کی تھی وہی اپنے معائنہ اور مشاہدہ سے بیان کرتے ہین کہ مدینہ والے قرآن کی پشت پر یہ عبارت لکھی تھی: "یہ وہ (قرآن) ہے جس پر اصحاب رسول اللہ صلعم کی ایک جماعت نے اتفاق کیا منجملہ اُن کے زید بن ثابت عبد اللہ بن زبیر اور سعید بن عاصی ہین" اور اسی سلسلہ مین اُن تمام صحابہ کے اسمائے گرامی لکھے ہوئے ہین جنھین حضرت عثمان نے اس اہم کام کے لیے جمع فرمایا تھا -

اہل اندلس کا اپنے قرآن کی نسبت یہ خیال بھی تھا کہ یہی وہ قرآن ہے جس پر شہید ہوتے وقت حضرت عثمان کا خون گرا تھا۔ مگر اس کو علامہ مقری اپنی کتاب "نفح الطیب" مین (جس سے اخذ کر کے ہم یہ واقعات ناظرین دلگداز کے سامنے پیش کر رہے ہین) بعید از قیاس بتاتے ہین۔ اور فرماتے ہین کہ وہ ہوگا بھی تو شام والا قرآن ہوگا۔

لیکن ہمارے نزدیک اگر اس قرآن مین خون کے دھبے موجود ہون تو اندلس والون ہی کا خیال ٹھیک ہے۔ کیونکہ شام کا قرآن جس کی ۵۷۸ھ مین ابوالقاسم تجیبی نے زیارت کی تھی وہ ہوگا جسے حضرت عثمان نے اپنی زندگی ہی مین ارسال فرمایا تھا اور جس پر آپ کا خون گرا وہ آپ کے خون آلود کرتے اور آپ کی بی بی نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیون کے ساتھ دمشق مین آپ کے بعد بھیجا گیا ہوگا۔ اور غالباً وہ آپ کا خاص قرآن ہوگا جس مین آپ خود تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ اور اہل مدینہ کی عام نفع رسانی کے لیے ایک دوسرا نسخہ ہوگا جو آپ کے بعد صدیون تک وہان موجود رہا۔ تاہم ہمین ابھی تک اس کا پتہ نہین چلا کہ اندلس مین وہ قرآن کس زمانہ مین اور کیونکر پہونچا؟

لیکن اس مین شک نہین کہ اہل اندلس اُس کی نہایت ہی قدر و منزلت اور تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ یہان تک کہ اندلس کی سلطنت مین کمزوری پیدا ہوئی اور مراکش مین سلاطین موحدین کا دور شروع ہوا جنھون نے سارے اسپین کو مغلوب و مقہور کر دیا تھا۔

اِس خاندان کے بانی اور پہلے تاجدار ابومحمد عبدالمومن بن علی کو اِس مستند اور متبرک نسخۂ قرآن کے اپنے دارالسلطنت مراکش مین لے جانے کا بیحد شوق تھا۔ اُسی کے وزیر عبدالمومن ابوبکر محمد بن عبدالملک بن طفیل کا بیان ہے کہ اس قرآن کے اصلی صحیفۂ عثمانی ہونے مین کسی کو شک نہ تھا۔ چنانچہ خلفاے اندلس اور سلاطین اسپین نسلاً بعد نسلٍ اُس کی حفاظت اور عزت کرتے آئے تھے۔ بادشاہ عبدالمومن کو بڑی آرزو تھی کہ اُسے قرطبہ سے منتقل کر کے مراکش مین لے آئے۔ مگر محض اس خیال سے اس کی جرأت نہ کرتا تھا کہ مسلمانان قرطبہ کو اس کا بڑا ملال ہوگا۔ اور اُن کی دلشکنی کرنا اچھا نہین۔ مگر خدا نے خود ہی یہ بات قرطبہ والون کے دل مین ڈال دی۔ اور وہ آپ ہی آمادہ ہو گئے کہ اُس دولت گران بہا کو عبدالمومن کے حوالے کر کے حق کو حق دار کے پاس پہونچا دین۔ چنانچہ قرطبہ کے دو رئیس زادے ابوسعید اور ابویعقوب ۵۵۲ھ مین اُس قرآن مجید کو لے کے مراکش مین آئے جس کا استقبال وہان بڑی دھوم دھام اور بڑے تزک و احتشام سے کیا گیا۔ بادشاہ عبدالمومن کو اِس نعمت عظمیٰ کے ملنے پر بڑی خوشی ہوئی۔ اور اُس نے اِس مصحف کی حفاظت اور اُس کی زیارت کے لیے جو اہتمام کیا حیرت انگیز ہے۔ چنانچہ اس کا مفصل

حال ہم اسی مضمون مین آگے چل کو بیان کرین گے۔

عبدالمومن کے عہد سے اِس ودیعت ربانی کے حامل سلاطین موحدین ہوئے جو علی العموم اُسکی بے انتہا قدر کرتے تھے۔ اور حصول برکت کے لیے سفرون اور لڑائیون مین اُسے اپنے ساتھ لیجایا کرتے تھے انھین مین سے بادشاہ منصور نے اس قرآن مجید کی جلد پر سونے کے حرفون مین چار شعر لکھوا دیے تھے جن مین سے آخری شعر یہ تھا۔

والبستہ الیاقوت والدرّ حلیۃً   وغیرک قد روّاہ من دم صاحبہ

(تو نے تو اِسے یاقوت اور موتیون کا زیور پہنایا۔ اور دوسرون نے اِسے خود اُن بزرگ (حضرت عثمان) کے خون سے سیراب کیا جن کا یہ تھا)

انھین موحدین مین سے معتضد یعنی سعید علی بن مامون ۶۴۵ھ مین جب تلمسان کے سفر پر روانہ ہوا تو عادت کے موافق اِس قرآن مجید کو اپنے ہمراہ لیتا گیا تھا۔ تلمسان کے قریب وہ اور اُس کا بیٹا ابراہیم دونون لڑائی مین مارے گئے اور بدوی عربون اور دیگر افریقی قبائل نے جہان شاہی لشکرگاہ کی اور سب چیزین لوٹین اِس مصحف عثمانی کو بھی لے گئے۔ اب چند روز تک یہ قرآن مجید گمنامی مین رہا۔ مگر بعض کہتے ہین کہ "نہین شاہان تلمسان کے خزانہ مین تھا" یہان تک کہ آخر ماہ رمضان ۷۳۷ھ مین بادشاہ ابوالحسن نے جو بنی مرین مین سے تھا تلمسان کو فتح کر کے یہ مصحف عثمانی اپنے قبضہ مین کیا۔

اب بادشاہ ابوالحسن نے اِسے ذریعۂ برکت قرار دیا۔ اور یہود کے تابوت سکینہ کی طرح لڑائیون اور جہاد کے سفرون مین اُسے ساتھ ساتھ لیے پھرتا تھا۔ اُس نے اتفاقاً پورچگل کے شہرون پر یورش کی جس مین وہ دشمنون کے نرغہ مین پڑ کے مارا گیا۔ اور یہ قرآن اُس کے دشمنون کے ہاتھ لگا۔ اب کسی تاجر نے حسن تدبیر سے اُس کو اُن لوگون سے حاصل کیا۔ اور ۷۴۵ھ مین پھر مراکش مین لا کے شہر فاس کے خزانہ مین رکھ دیا۔

بس اِس کے بعد ہم نہین جانتے کہ وہ قرآن کہان ہے۔ آیا وہ محترم نسخہ آج بھی شہر فاس مین ہے یا نہین۔ فی الحال ایک قرآن مجید اور وہی خاص جس پر حضرت عثمان کا خون گرا تھا قسطنطنیہ مین دولت عثمانیہ کے قبضہ مین بتایا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ وہی قرآن ہو۔ اور کسی ذریعہ سے سلاطین آل عثمان کے قبضہ مین آگیا ہو۔

لیکن ہمین ابھی اتنا بتانا باقی ہے کہ پہلے فرمان روائے موحدین عبدالمومن بن علی نے اِس کی قدردانی و حفاظت کے لیے کیا کیا انتظامات کیے تھے۔ اُسے اِس قرآن کے ملتے ہی اِس

بات کی فکر ہوئی کہ جیسا یہ معجز نما کلام ہے۔ ویسی ہی اس کی رحل اور اس کے رکھنے کا تابوت (صندوق) بھی ہو جن سے ایک طلسم اور معجز نمائی کی شان نمایان ہوتی ہو۔

چنانچہ اس غرض کے لیے اُس نے اپنے دارالسلطنت مراکش (جو اُن دنون ایک بڑا ترقی یافتہ اور متمدن شہر تھا) کے اور نیز اپنی قلمرو کے بلاد دور دراز کے بڑے بڑے مہندسون۔ نقاشون۔ معمارون۔ نجارون۔ سادہ کارون۔ نگینہ جڑنے والون۔ اور صناعون غرض ہر قسم کے کاریگرون کو بلا کے شہر مراکش مین جمع کیا۔ اور اُن کو حکم دیا کہ تم سب مل کے باہمی مشورہ سے اس قرآن کی جلد بناؤ۔ اُس مین جواہرات جڑو۔ اور اُس کے لیے اعلیٰ درجہ کا ایک جزدان بناؤ۔ اور یہ سب چیزین ایسی ہون جو اعجوبۂ روزگار ہون۔ پھر اُس کے لیے ایک کرسی اور ایک رحل اور ایک ایسا تابوت تیار کرو جس مین اپنی ساری صناعی صرف کردو۔ اور ایسا کمال دکھاؤ کہ یہ سب چیزین ایک طلسم معلوم ہون۔ اور اُن سے ایسے عجائبات ظاہر ہون جن کے اسباب نظر سے پوشیدہ رہین۔

یہ ایک دینی کام تھا جس مین اجر و ثواب آخرت کے علاوہ بادشاہ کی خوشنودی بھی متصور تھی۔ کاریگرون نے جانین لڑادین۔ پہلے تو اُس کلام اللہ کے لیے سونے چاندی کی ایک مرصع کار جلد اس وضع کی بنائی گئی کہ اُس مین زیادہ ترکیس کی شان تھی۔ اندر باہر عجب و غریب صنعتین رکھی گئی تھین۔ اور ہر جگہ ایسے نقش و نگار تھے جن مین ہر مقام پر ایک نئی صنعت نظر آتی تھی۔ اُس پر رومی شیشہ کی ایسی میناکاری کی گئی تھی کہ اُس سے پہلے کبھی لوگون کی نظر سے نہین گذری تھی اس جلد مین حیرت انگیز طریقہ سے ہر مقام پر جوڑ تھے جو بند ہوتے وقت خوب جڑ کے بیٹھ جاتے۔ اور کھلتے وقت جدا ہو جاتے۔ اور ایسی خوش سلوبی اور عمدہ زینت سے اُس جلد پر ہیرے یاقوت زمرد اور موتی جڑ دیے گئے تھے کہ اُس کی آب و تاب پر نظر نہ جم سکتی۔ پھر اُس کے لیے سندس و حریر کا ایک نہایت ہی پُر تکلف جزدان تیار کیا گیا۔ اور اس مین بھی بہت ہی بیش بہا جواہرات کثرت سے ٹانکے گئے

اس کے بعد اُس قرآن مجید کے واسطے ایک آبنوس کی مرصع کار رحل بنائی گئی اور اُس مین بھی اعلیٰ درجہ کے نقش و نگار بنا کے جا بجا جواہرات جڑے گئے۔ اس رحل کی وضع بھی نہایت خوشنما اور عجیب تھی۔ پھر ایک نہایت نازک خوبصورت اور پُر تکلف کرسی بنائی گئی تاکہ اُس کرسی پر رحل اور رحل پر قرآن پاک رکھا جائے پھر ایک بڑا سا تابوت (صندوق) بنایا گیا تاکہ اُس کے اندر وہ کرسی اور رحل اور قرآن حفاظت کے ساتھ رکھے رہین۔ اور جب کہین لیجانا ہو تو اُس پورے تابوت کو اُٹھا کے لیجایا کرین۔ یہ تابوت شش پہل تھا۔ بہت بلند تھا۔ اور نہایت خوشنما۔ اور اُس پر چارون طرف ایسے نقش و نگار بنائے گئے

تھے کہ جو دیکھتا عش عش کرجاتا۔

مگر سب سے بڑا کمال یہ تھا کہ اس خیال سے کہ بغیر ہاتھ لگائے قرآن کی زیارت ہوجایا کرے اور حضرت جل وعلا کے اس ارشاد کی کہ " لا یمسّہ الا المطہرون" کی پوری تصدیق ہوتی رہے اس تابوت کرسی اور رحل میں کچھ ایسی کلین لگائی گئی تھین اور انکی تکمیل مین ایسا کمال انجنیری صرف کیا گیا تھا کہ انھین دیکھ کے عقل دنگ رہ جاتی۔ اور قرآن مجید کی زیارت مین ایک معجز نمائی کا حیرت انگیز کرشمہ لوگون کو نظر آجاتا۔ جب کسی کو اُس کی زیارت کا شوق ہوتا تو اُس ششپہل تابوت کے ایک پہلو پر جو دو پٹ لگے ہوے تھے اُن کے نیچے ایک سوراخ مین ایک نازک سی خوبصورت کنجی ڈال کے پھرائی جاتی۔ کنجی کے پھرتے ہی آپ سے آپ دونون پٹ یکایک کھل کے اندر کی طرف مڑ جاتے۔ وہ کرسی جس پر رحل تھی۔ خود بخود تابوت سے باہر دوڑ آتی۔ اور رحل مع قرآن بھی خود بخود حرکت کرکے اُس کرسی پر کھسک کے انتہائی سرے پر آجاتی۔ اور یہ سب حرکتین ایک ہی ساتھ صرف کنجی کے پھرانے سے بغیر اس کے کہ کوئی ہاتھ لگائے ہوتین۔ اور قرآن مجید زیارت کرنے والون کے قریب آجاتا۔ پھر بعد زیارت جب اُسے احتیاط سے رکھ دینا منظور ہوتا تو کنجی اُسی سوراخ مین ڈال کے دوسری طرف پھرائی جاتی اور ساتھ ہی کرسی و رحل مع قرآن مجید کے آپ سے آپ اندر ہو کے اپنی اپنی جگہ پر قائم ہوجاتے۔ اور خود ہی تابوت کے پٹ بھی بند ہو کے مقفل ہو جاتے۔

مسلمانون اور خصوصاً آج کل کے تعلیم یافتہ لوگون کو اُس زمانہ مین اور وہ بھی مراکو مین ایک ایسی صنعت کے پائے جانے کا مشکل سے یقین آئے گا۔ مگر یہ کُل باتین کتاب نفح الطیب کی جلد اول مین بہ وضاحت درج ہین جو کہ آج کل کی تصنیف نہین۔ اور کوئی وجہ نہین کہ اُس کے بیان کو جو مستند مورخین کے حوالہ سے ہے بے اصل تصور کر لیا جاے۔

مگر ہان خود ہماری حالت ایسی ہو رہی ہے کہ ایسے کمالات کا اب ہمارے اگلے باکمال بزرگون کی جانب منسوب کیا جانا بھی اورون کو نہین خود ہمارے ہم قومون کو قابل حیرت نظر آتا ہے۔ مگر سچ یہ ہے کہ ہمارے بزرگ ایسے نہ تھے جیسے کہ ہم ہین۔

اردو لٹریچر اور محکمۂ قوانین

اُردو زبان خوش اقبالی مین بھی بدنصیب ہے۔ اُس کی تاریخ بتا رہی ہے کہ اس کو جب کبھی ضرر پہونچا ہے خود اپنون اور اپنے مربیون سے پہونچا ہے۔

ہر کس از دست غیر نالہ کند سعدی از دست خویشتن فریاد

جن ہندو اور مسلمانوں کے امتزاج و اتحاد میل جول و رباہمی ربط و ضبط سے وہ پیدا ہوئی اُنھین نے ابتدائ سوا ایک مگرملیو زبان سمجھنے کے اُسے ہمیشہ علمی دربار سے محروم رکھا۔ اور اب بھی دیکھ لیجیے کہ وہی لوگ جو اِس کو بولتے اسے برتتے اِس مین مراسلت نامہ و پیام اور تصنیف و تالیف کرتے۔ اور اس مین اخبار نکالتے ہین وہی اس کے دشمن ہین۔ اور جب پوچھو تو یہی کہتے ہین کہ ہمین اُردو سے کوئی تعلق نہین اور نہ یہ ہماری زبان ہے۔ سرکار برطانیہ جس نے اسے علمی دربار مین پہونچایا۔ سرکاری زبان بنایا سلطنت کے قوانین اُس مین مدوّن کرائے۔ شہرون شہرون اور گاؤن گاؤن مین اُسکی تعلیم کے مدرسہ جاری کیے۔ اُسی کے بعض افسر اُردو کے خلاف ہین اور اُس کی ترقیون کو اچھی نظر سے نہین دیکھتے۔ اور اگر اس پر عنایت بھی کرتے ہین تو بدنصیبی سے وہی عنایت موجب مضرت بن جاتی ہے۔

سررشتۂ تعلیم مین چونکہ ہندو عنصر غالب ہے اِس لیے اگر اور کچھ نہین بن پڑتا تو اسی بات کی کوشش کی جا رہی ہے کہ نصاب تعلیم کی کتابون کی زبان ہی بگاڑ کے غارت اور گنوارون کی زبان سے بھی بدتر کر دی جائے۔ مگر اس کے علاوہ ایک اور حیثیت سے بھی اردو بگاڑی جا رہی ہے جو اس سے بھی زیادہ قابل لحاظ ہے۔ اور وہ حیثیت سررشتہ ترجمۂ قوانین کی ہے۔

اُردو زبان کو ہندوستان کی دوسری زبانون پر مختلف حیثیتون سے ترجیح حاصل ہے منجملہ اُن کے ایک یہ ہے کہ دیگر اقوام و السنہ سے جس قدر علم و فن ہندوستان کی لٹریری دنیا مین آتا ہے وہ زیادہ تر اردو ہی مین ہوتا ہے۔ ہندوستان جیسے بجائے خود ایک براعظم کہنا چاہیے اُس کی تقریباً نصف آبادی اردو بولتی اور سمجھتی ہے جس کی وجہ سے دوسری زبانون سے جتنی کتابین یا چیزین ترجمہ ہوتی ہین اکثر اُردو ہی مین ہوتی ہین۔ اِن ترجمون کا سلسلہ ایک مدت دراز سے اُردو مین جاری ہے جن کی بدولت اردو مین اتنا وسیع اور غیر محدود لٹریچر پیدا ہو گیا ہے کہ اُسے تکمیل کے ساتھ جمع کر لینا کسی بڑی سے بڑی لائبریری کے بھی امکان مین نہین ہے۔ بنگالی۔ مرہٹی۔ گجراتی اور تلنگی زبانون مین بھی ترجمے ہوے ہین۔ مگر اُردو کے مقابل بہت کم۔ اور اتنے ہین کہ اُن کی مجموعی تعداد اُردو ترجمون کے عشر عشیر کو بھی نہین پہونچ سکتی۔ اور اِس کی وجہ بھی ظاہر ہے۔ جہان تک خاص اُردو کی قلمرو ہے اُس مین اُن زبانون کو کوئی جانتا بھی نہین اور اُن کے خاص رقبہ مین اُردو پوری طرح حکومت کر رہی ہے بنگالی۔ گجراتی۔ مرہٹی اور تلنگی زبانون کے لٹریچر کو عظیم آباد سے پیشاور تک کوئی جانتا بھی نہین

مگر اردو لٹریچر کی اشاعت جیسی لکھنؤ اور دہلی مین ہے اُس کے قریب ہی قریب کلکتہ - بمبئی - پونا اور مدراس مین بھی ہو رہی ہے - اور اسی وجہ سے اُن زبانون کا دائرہ بہت ہی محدود ہے اور اُن مین ویسی علمی وسعت ہرگز نہین جیسی کہ اردو مین ہے -

دنیا کی تمام زبانون کو سب سے زیادہ علمی فائدہ ترجمون ہی کے ذریعہ سے حاصل ہوا کیا ہے - کیونکہ ترجمہ کی معرفت جب نئے مضامین اور نئے خیالات کسی زبان مین آتے ہین تو اپنے لیے نئے الفاظ محاورات اور مصطلحات بھی پیدا کر لیا کرتے ہین جن سے زبان کو روز بروز وسعت حاصل ہوتی جاتی ہے - ہندوستان مین مختلف زبان بولنے والی قومین اور مختلف مذاق و اعتقاد و خیالات کے لوگ موجود ہین جن کی وجہ سے یہان کوئی ایک قومی اور ملکی اکاڈمی نہین قائم ہو سکتی جیسی کہ فرانس مین نظر آتی ہے جہان ایک ہی زبان بولنے والون اور ایک ہی مذاق رکھنے والون کی متحدہ کوششین فرنچ اکاڈمی کے ذریعہ سے فرانسیسی لٹریچر کو یوماً فیوماً ترقی دلاتی رہتی ہین -

یہان سچ پوچھیے تو ایسی کسی اکاڈمی کا قائم مقام صحیح معنون مین گورنمنٹ کا محکمہ ترجمہ قوانین ہے جس کے ذریعہ سے تمام قانون کے ترجمہ برابر اردو مین شایع ہوتے رہتے ہین - اور جو اپنی شاعت کے ساتھ اردو مین بہت سے نئے الفاظ نئے محاورے اور نئے مصطلحات پیدا کرتا ہے - اور وہ شایع ہوتے ہی ہر ادنیٰ و اعلیٰ کی زبان پر جاری ہو جاتے ہین جو کتابین گورنمنٹ کے ایما اور حکم سے اِس محکمہ کے ذریعہ سے شایع ہوتی ہین - ان کو اشاعت کے ساتھ ہی جیسی مقبولیت اور تعمیم حاصل ہو جاتی ہے ویسی نہ کسی شاعر کے کلام کو نصیب ہو سکتی ہے اور نہ کسی ادیب کی عبارت کو - وہ ترجمہ فوراً مستند تسلیم کر لیے جاتے ہین عدالتون اور تمام دفترون مین برتنا شروع ہو جاتے ہین فوراً اُن سے استناد کیا جانے لگتا ہے - اور اُن کا ہر ہر لفظ چاہے بُرا ہو یا بھلا با محاورہ ہو یا بے محاورہ ایک مہمان ناخواندہ کی طرح زبان مین زبردستی گھس پڑتا ہے -

جہان تک مجھے تجربہ ہوا ہے ان قوانین کے ترجمون مین کثرت سے خلاف محاورہ بلکہ غلط الفاظ استعمال ہوا کرتے ہین - اور اُن سے زبان کو بجاے فائدہ کے ضرر پہونچتا ہے - لوگ اطاعت کیشی اور نیازمندی کے جوش مین اُن غلط اور خلاف محاورہ ترجمون کو مجبوراً قبول کر لیتے ہین - اور اُن پر حرف رکھنے کی جراءت نہین کرتے جس کی وجہ سے ہمین یہ کہنے کا موقع حاصل ہے کہ خود گورنمنٹ کی مہربانی سے زبان بجائے سُدھرنے کے بگڑ رہی ہے - اور جس اکاڈمی سے ہمین فائدہ پہونچنا چاہیے تھا اُس سے ہم ضرر اٹھا رہے ہین -

لوگ جو ان ترجمون کو عموماً قبول کرلیا کرتے ہین اس سے یہ نہ خیال کرنا چاہیے کہ اُنھون نے ترجمون کو صحیح و بامحاورہ سمجھ کے قبول کرلیا۔ بلکہ اصل یہ ہے کہ ضرورت مجبور کرکے اُن سے تسلیم کراتی ہے۔ ورنہ اِس کی کوئی وجہ نہین کہ ہم جن غلطیون کے ایک جاہل بچہ کی زبان پر بھی متحمل نہین ہوسکتے اُنھین غلطیون کو سرکاری قوانین مین دیکھ کے برداشت کرین اور اُنھین ٹھنڈے دل سے قبول کرلین۔ خلاف محاورہ الفاظ کے مقبول ہونے پر اِس سے زیادہ کیا ثبوت ہوگا کہ پینل کوڈ (تعزیرات ہند) کے ترجمہ نے صدہا غیر مانوس اور زبان پر گران گزرنے والے لفظون اور لغتون کو چند ہی روز مین بالکل مانوس بنادیا۔ حالانکہ اُن کی جگہ زیادہ سلیس خوبصورت اور بامحاورہ الفاظ استعمال کیے جاسکتے تھے۔

خیر وہ تو ایک گذری ہوئی بات تھی جس کا اب کوئی علاج نہین۔ مگر غضب تو یہ ہے کہ آج بھی جب کہ اُردو لٹریچر بہت ترقی کرگیا ہے سرکاری قوانین کے ترجمون مین بے احتیاطی برتی جارہی ہے۔ اِس مین شک نہین کہ اِن ترجمون کا غلط اور خلاف محاورہ ہونا سخت اعتراض کے قابل ہے۔ یہ غلطیان کسی اور مصنف یا رسالہ سے ہوتین تو چندان قابل لحاظ نہ تھین۔ مگر چونکہ ایک ایسے سرکاری محکمہ سے ہوتی ہین جس کا ہر ہر لفظ پبلک کو مجبوراً تسلیم کرنا پڑتا ہے اِس لیے کسی طرح قابل درگذر نہین۔ گورنمنٹ کا فرض ہے کہ اُس محکمہ کی طرف خاص توجہ کرے۔ اور سوا لائق و مستند زبان دانون کے اور ایسے تعلیم یافتہ لوگون کے جن کی مادری زبان اردو ہو اور کسی کے ہاتھ مین ایسی ذمہ داری کا کام نہ دے۔ کیونکہ اگر یہی بے پروائی اور چند روز رہی تو یہ محکمہ بجاے نفع کے اُردو کو سخت ضرر پہونچا دے گا۔ اور اُس کی غفلت سے ہماری زبان بگڑ جائے گی۔

فی الحال چونکہ صوبہ بہار کے لائق و فائق بزرگ آنریبل مسٹر علی امام لا ممبر مقرر ہوئے ہین جن مین نہایت اعلی درجہ کا لٹریری ذوق بھی ہے لہذا اُن کی ذات سے ہمین کامل امید ہے کہ وہ اِس جانب خاص توجہ فرمائین گے۔ اور سرکاری قوانین کے ترجمون کے متعلق ضروری اصلاح فرما کے وہ ہماری زبان اور ہمارے ملک پر خاص احسان فرمائین گے۔

ہم مسلم لیگ اور ایجوکیشنل کانفرنس کے صیغۂ ترقی اردو کو بھی اس اہم ذمہ داری کی طرف توجہ دلاتے ہین۔ امید ہے کہ اِس بارۂ خاص مین وہ سرکار مین ہمارا ریپریزنٹیشن کرین گے اُردو کانفرنس جس نے بیداری مغزی سے کام لینا شروع کیا ہے اُس کے لیے اِس جانب توجہ

کرنے کا پورا موقع ہے۔ اور اگر اُس نے اِس شکایت کو رفع کرا دیا تو وہ اپنی زبان پر بہت بڑا احسان کرے گی اور اُردو کو ایک ایسی مضرت سے بچائے گی جس سے بچانے کی سخت ضرورت ہے۔

چند مختصر خیالات اور ریویو

مولوی رحمت اللہ صاحب رعد کی نئی نامی جنتری سلسلہ کی شایع ہو گئی۔ سچ یہ ہے کہ اگر انسان جنتری رکھے تو یہی نامی جنتری رکھے۔ خصوص اس کا اعلیٰ ایڈیشن تو دیکھنے کے قابل ہے۔ اول ہی ملک معظم کی دو تصویرون اور فرمان شاہی کے چھاپنے مین لیتھوگرافی کا اعلیٰ کمال دکھا دیا گیا ہے اور آخر مین تاریخ افغانستان کا تیسرا حصہ ہے جس مین محمود غزنوی سے آخر عہد شہاب الدین غوری کی تاریخ ہے۔ فتوحات محمود غزنوی کے نقشہ اور شہاب الدین غوری کی تصویر سے حضرت رعد کا کمال ظاہر ہو رہا ہے۔ لوگ مولوی رحمت اللہ صاحب رعد کو کانپور کے پتہ پر خط بھیج کے منگوائین۔ اور خاص قسم کی جنتری منگوائین۔

ابو الحسنات حافظ قطب الدین احمد صاحب نے فن طب کی طرف خاص توجہ کی ہے۔ اور اُن کا نامی پریس لکھنؤ۔ سچ یہ ہے کہ طب یونانی پر بڑے بڑے احسانات کر رہا ہے۔ قانون شیخ الرئیس کو تمام و کمال چھاپنے۔ اور زہراوی کی سی عدیم النظیر کتاب کو زندہ کر دینے کے بعد اب اُنھون نے مصطلحات طبیہ کا ایک کامل لغت جس کا نام "لغات قطبیہ فی اصطلحات الطبیہ" ہے مولوی محمد عبد الوہاب صاحب سے تصنیف کرا کے شایع کیا ہے جو ۲۰ × ۲۶ پیمانے کے ۳۵۰ صفحون پر ختم ہوا ہے اور اُس کے بعد ۴ صفحون پر تشریح کی آلات عمل بالید کی اور دوسرے خارجی علاجون کی تصویرین ہین۔ ہمارے خیال مین اس کتاب کو ہر طبیب اور طب کے ہر طالب علم کے پاس ضرور ہونا چاہیے۔ قیمت کچھ نہین صرف ڈیڑھ روپیہ۔ نامی پریس لکھنؤ مین خط بھیج کے منگوائی جائے۔

سر ولیم ویڈربرن ہندو مسلمانون مین اتحاد پیدا کرانے آئے ہین۔ بڑی نوازش۔ ہمارے شہر کے محلہ حیدر گنج مین گاؤکشی کی بنا پر ہندو مسلمانون مین رنجش پیدا ہو گئی۔ مہربانی کر کے اُن دونون مین صلح کرا دین۔

مردم شماری مین نیچ ذاتون کے الگ لکھے جانے مین ہندؤن کا نقصان ہی کیا ہے - اُن کی تعداد معلوم ہو جائے گی - اور اگر اُنھین ساتھ لینا چاہتے ہون تو اپنے ساتھ ملا کے بتا سکتے ہین - پھر اس مین مضایقہ کیا ہے - غریب ادنیٰ لوگون کی ہمدردی کا بیڑہ مشنریون نے اُٹھایا ہے اُنھین اِس جانب خاص طور پر توجہ کرنی چاہیے -

---

اِسی بنا پر ہندوستانی کے مضمون پر ایک مسلمان صاحب مولوی عزیز مرزا صاحب کو مسلم لیگ کی معتمدی کے قابل نہین بناتے - کیونکہ مولوی عزیز مرزا صاحب نے اُن غریب مظلومون کی ہمدردی کی ہی اور اِنھین ہندؤن کے ہجوم مین پڑکے پامال ہو جانے سے بچانا چاہا ہے - ہم ایسے ہندو بھی پیدا یا تصنیف کر سکتے ہین جو ہندو لیڈرون کی اِس خود غرضی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھین - مگر اُن مسلمان صاحب کی رائے کی وقعت اِسی سے کھُل گئی کہ اُنھین اپنی گرفشانی کے لیے ایک ہندو اخبار ہی میسّر آیا -

---

ناول غیب دان دُلھن جنوری مین تیار ہوگا - اور وسط فروری مین جنوری کے پرچہ شایع ہونے کے بعد خریداران دلگداز کی خدمت مین بذریعۂ وی پی روانہ کیا جائے گا - عہ چندہ سنہ ۱۹۱۱ کا اور عہ ۲ آنہ دو کا اور ۲ اس ناول کے محصول کا - چونکہ اُس کا وزن زیادہ ہو گیا ہے لہذا ہمین محصول کا ایک آنہ بڑھانا پڑا - ہم کئی مہینہ سے برابر لکھ رہے ہین کہ ہمین اس کے وی پی بھیجنے کی اجازت دی جائے جس مین خریدارون ہی کا فائدہ مقصود ہے مگر اس وقت تک ۱۵۰۰ خریدارون مین سے صرف ایک سو کرم فرماؤن نے اجازت دی ہے - اور باقی سب صاحب خاموش ہین - ہماری سمجھ مین نہین آتا کہ اہل ہند سے عموماً اور مسلمانون سے خاصتہً یہ بے پروائی اور تغافل شعاری کا مرض کب دُور ہوگا - یہ ہم کو یقین ہے کہ سب صاحب راضی ہین اور دل سے اجازت دیتے ہین - مگر آخر ایک پیسہ کا کارڈ لکھ کے بھیج دینے مین آپ کو کیا تامل ہے ؟ خدا قوم اور ملک مین مستعدی اور زندہ دلی پیدا کرے - سچ یہ ہے کہ ہم اِسی تغافل کے کشتہ ہین -

ناول غیب دان دُلھن کی جداگانہ قیمت ایک روپیہ ہے -